ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۷/ اکتوبر ۹۶ء

☆ خلافت راشدہ سے قریب تر صدارتی نظام ہے (خطبات خلافت)
☆ انقلاب کی آندھی چلنی شروع ہوگئی ہے (لمحہ فکریہ)
☆ تنظیم اسلامی کا پیغام۔ نظام خلافت کا قیام (بسلسلہ سالانہ اجتماع)

حدیث امروز
جنرل (ر) محمد حسین انصاری

غم کی گھڑیاں

ماہ ستمبر ۱۹۹۶ء کے آخری دس روز قوم پہ بہت بھاری رہے۔ ۲۰ تاریخ کو میر مرتضیٰ بھٹو کے قتل کی خبر نے ہر پاکستانی کو رنجیدہ کر دیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ بذات خود کوئی بہت مقبول شخصیت تھے بلکہ اس لئے کہ یہ قتل ناحق تھا اور وہ بھی اپنی ہی بہن کے دور حکومت میں۔ مرتضیٰ مرحوم پاکستان کے ایک ایسے شہرت یافتہ خاندان کے چشم و چراغ تھے جو بیک وقت خوش نصیبی اور بد نصیبی میں اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کا وزیر اعظم ہوتے ہوئے جہاں بہت نام کمایا وہاں بال آخر تختہ دار ان کا مقدر ٹھہرا۔ ان کے متنازعہ انجام کے بعد بھٹو خاندان کو طویل مدت دیس نکالا بھگتنا پڑا۔ دو میں سے ایک بھائی زہر دیئے جانے سے ہلاک ہوا۔ ایک بار پھر قسمت نے یاوری کی تو مرتضیٰ مرحوم کی بہن ملک کی وزیر اعظم منتخب ہوئیں مگر اسی بہن کی حکومت کی پولیس نے مرتضیٰ کو قتل کر دیا۔ یہ تھی اتار چڑھاؤ کی المناک داستان جس نے قوم کو کبیدہ خاطر کیا۔ غم کی اس گھڑی میں یہ معمہ قوم کے لئے بالعموم اور بھٹو خاندان کے لئے بالخصوص مزید سوہان روح کا باعث بنا کہ مرتضیٰ بھٹو کو کس نے مارا' کیوں مارا' کیسے مارا اور یہ سازش کیا تھی؟ سیاسی حریفوں نے بھی خوب رنگ چڑھایا۔ جو لوگ قتل سے پہلے بہن بھائی کے اختلافات کو مسلسل نورا کشتی کا الزام دیتے رہے انہوں نے قتل کی خبر ملتے ہی اس کی تمام ذمہ داری بہن کے سر تھوپ دی۔ مرتضیٰ بھٹو کی بیوہ نے بھی دبے الفاظ میں اس الزام کی تائید کی' اگرچہ اس نے بے نظیر کی بجائے حکومت کا نام لینا بہتر جانا۔ اس کے علاوہ متعلقہ ملوث ایس ایچ او نے اپنے پاؤں پر خود گولی مار کر گہرے شکوک و شبہات کو جنم دیا ہے۔ ادھر بے نظیر بھٹو نے قتل کو سوچی سمجھی سازش قرار دیتے ہوئے وسیع پیمانے پر تحقیقات کا حکم جاری کر دیا۔ دیکھیں کب حقائق سامنے آتے ہیں۔ البتہ اگر بہن کے بر سر اقتدار ہوتے ہوئے بھی راز فاش نہ ہوا تو یہ نہایت المناک واقعہ ہو گا۔

مرتضیٰ مرحوم کے قتل کے دھچکے سے ابھی قوم سنبھل نہ پائی تھی کہ تین دن کے اندر ایک اور کربناک سانحہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ۲۳ ستمبر کی صبح ملتان کی مسجد الخیر میں فجر کی نماز کے دوران مسلح افراد نے خود کار ہتھیاروں سے نمازیوں پر حملہ کر دیا جس سے چوبیس (۲۴) افراد جاں بحق اور تین درجن کے لگ بھگ شدید زخمی ہوئے۔ مسجد کے صحن میں نمازیوں کا خون اور جسم کے لوتھڑے بکھرے پڑے تھے۔ بس ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ ملتان میں کہرام مچا اور خبر پھیلتے ہی پورا ملک شدید صدمے کی لپیٹ میں آگیا۔ عوام الناس پہلے کون سی آرام کی زندگی جی رہے ہیں کہ ایسی صورتحال میں کوئی صائب مشورہ دے سکیں۔ البتہ اکابرین قوم کے تبصرے لائق غور ہیں۔ بعض نے کہا جو حکومت عبادت گاہوں میں اپنے شہریوں کی جان کی حفاظت نہیں کر سکتی اسے بر سر اقتدار رہنے کا کوئی حق نہیں۔ چنانچہ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ مساجد پر نماز کے وقت مسلح گارڈ متعین کئے جائیں گے اور ہر امام مسجد کو اسلحہ کے دو لائسنس جاری ہوں گے۔ بعض نے اس سانحہ کو فرقہ واریت قرار دیتے ہوئے تمام تر ذمہ داری علماء دین پہ ڈال دی۔ بعض نے اسے را کی شرانگیزی اور بعض نے موساد کی کارستانی قرار دیا۔ ملی یکجہتی کونسل نے تمام دینی جماعتوں کو اپنے اختلافات پس پشت ڈال کر کونسل کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی اپیل کی تاکہ بگڑتی ہوئی صورت کا مناسب حل تجویز کیا جا سکے۔ دانشور حضرات کی رائے' ان کی تجاویز اور ان کے تبصرے اپنی جگہ پر' مگر مذکورہ بالا سانحات کوئی پہلی بار تو ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ وطن عزیز میں پولیس کے ہاتھوں قتل ناحق اب معمول کی بات ہے۔ پولیس مقابلوں اور زیر تفتیش مرنے والوں کے اعداد و شمار ہی ظلم بے حساب کی کہانی چند ہندسوں میں بیان کر ڈالتے ہیں۔ کبھی کبھار ایوان عدالت سے یا محلات اقتدار سے اشک شوئی کے طور پر پولیس کی زیادتی کے بارے

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

قیمت : ۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو مگر بھلے طریقے پر' یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔○

(کہ یتیم جس کی بے کسی اور بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا مال ہڑپ کر جانا عرب معاشرے میں عام تھا' کے حقوق کا لحاظ رکھنے اور اسے معاشرے میں باعزت مقام دینے کا تاکیدی حکم قرآن حکیم میں جابجا ملتا ہے۔ اس کا ایک سبب شاید یہ بھی ہے کہ محبوب رب العالمین' خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بچپن میں والد اور والدہ کی جدائی کا صدمہ دیکھنا اور یتیمی کا داغ سہنا پڑا۔ بہرحال یتیم کے حقوق کے معاملے میں قرآن کی شدت تاکید کا یہ عالم ہے کہ سورۃ الضحیٰ میں خود حضور ﷺ کو ہدایت کر دی گئی کی "یتیم پر ہرگز سختی نہ کرنا"..... اور یہاں ایک دوسرے پہلو سے تنبیہ فرمادی گئی کہ اگر کوئی ایسا یتیم بچہ تمہارے زیر کفالت ہو جس کے والد نے اس کے لئے کچھ ترکہ چھوڑا ہو تو یتیم کے مال کو امانت سمجھتے ہوئے تمہیں اس وقت تک اس کی حفاظت کرنی ہوگی جب تک بچہ سن شعور کو نہیں پہنچ جاتا۔ اور اگر اس دوران اسی یتیم بچے پر خرچ کرنے کے لئے تمہیں اس کے مال میں سے کچھ لینا پڑے تو اس کا باقاعدہ حساب رکھو' مبادا اس کے مال میں سے کوئی لقمہ ناجائز طور پر تمہارے میں چلا جائے اور آخرت میں تمہارے لئے وبال جان ثابت ہو)

اور عہد کی پابندی کرو' یقیناً عہد کے بارے میں پوچھ گچھ ہو کر رہے گی۔

(قول و قرار اور عہد و معاہدے کو معمولی سمجھ کر نظرانداز کر دینا محض ایک اخلاقی برائی ہی نہیں دین و شریعت کے لحاظ سے بھی نہایت ناپسندیدہ فعل ہے۔ معاہدہ خواہ کسی نوع کا ہو' افراد کا باہمی معاہدہ ہو یا بندے کا رب سے کیا گیا عہد ہو' روز قیامت اس کے بارے میں باز پرس ہو کر رہے گی)

اور پورا بھرو ماپ کو جب ماپ کر دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو سے..... یہی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے عمدہ بھی○

(کہ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والا وقتی طور پر چند ٹکوں کا فائدہ تو شاید اٹھالے' انجام کار اس کے مقدر میں گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ کہ اس اخلاقی گراوٹ میں مبتلا شخص خود اپنی نگاہوں میں گر کر اپنے سیرت و کردار کی تعمیر پر روک لگانے کا باعث تو بنتا ہی ہے آخرت میں بھی ہلاکت و بربادی اس کا مقدر ہوگی)

(سورۃ بنی اسرائیل' آیات ۳۴ تا ۳۵)

جوامع الکلم

جس نے دھوکہ دیا یا ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں

(دھوکہ دینا' ملاوٹ کرنا یا ماپ تول میں ڈنڈی مارنا بظاہر معمولی نوع کی اخلاقی برائیاں ہیں لیکن قل کی اوٹ میں پہاڑ کے مصداق تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والا در حقیقت آخرت پر یقین سے محروم ہے۔ وہ اسی دنیا کو کل زندگی سمجھ بیٹھا ہے کہ "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" وہ شاید اس حقیقت سے غافل اور بے خبر ہے کہ انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا تو ممکن ہے' اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے غافل اور دولت ایمان سے محروم شخص کا شمار نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نہیں ہو سکتا !!)

(صحیح مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ)

2-10-96

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

بانی مدیر: اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۳۷

۷ / اکتوبر ۹۶ء

20

ایڈیٹر

حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات

تحریک خلافت پاکستان

۴ - اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت

۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: ۵۸۶۹۵۰-۳

پبلشر: محمد سعید اسعد حاجی رشید احمد چودھری

مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۸ روپے

سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳/ امریکی ڈالر

☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر

☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

یہ اطلاع اکثر قارئین تک پہنچ چکی ہو گی کہ لیاقت باغ راولپنڈی میں ۴ تا ۶ اکتوبر منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کے اکیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر ان شاء اللہ العزیز "خلافت کانفرنس" کا انعقاد بھی عمل میں آئے گا۔ اس کانفرنس میں پاکستان کے بعض نمایاں اہل علم و دانش کے علاوہ بیرون ملک سے بھی بعض سکالرز کی شرکت متوقع ہے۔ بیرون ملک سے پاکستان تشریف لانے والے مقررین میں نمایاں نام ٹرینیڈاڈ کے جناب عمران این حسین کا ہے جن کے نام اور افکار سے قارئین "ندائے خلافت" بخوبی واقف ہیں۔ گزشتہ چند ماہ کے دوران "گوشہ خلافت" کے عنوان سے شائع ہونے والے ان کے فکر انگیز مضامین سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ خلافت کے موضوع سے انہیں بے انتہا دلچسپی ہے اور اس کے احیاء کی ضرورت و اہمیت کا وہ حد درجے شدید احساس رکھتے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ اس موقع پر ان کے مضامین کو کتابی شکل میں طبع کرا لیا جائے۔ اسی طرح "خطبات خلافت" کے عنوان سے "ندائے خلافت" میں بالاقساط شائع ہونے والے امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے سلسلہ مضامین کو بھی اس موقع پر کتابی شکل میں پیش کرنے کا ارادہ ہے کہ ان کتابوں کی اشاعت کا اس سے بہتر اور مناسب موقع اور کونسا ہو سکتا ہے!---

اللھم وفقنا لھذا

اندرون ملک سے تعلق رکھنے والے مقررین میں جماعت اسلامی کے مولانا گوہر رحمٰن اور تحریک اسلامی کے مولانا مختار گل کے علاوہ موتمر عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری راجہ ظفر الحق، آزاد کشمیر سے مولانا مظفر حسین ندوی، حیدر آباد سندھ سے مولانا سید وصی مظہر ندوی اور لاہور سے سید ہادی علی نقوی اور مولانا خورشید احمد گنگوہی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ---- خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب جمعہ پر مشتمل ہو گا جس کا عنوان نہایت دلپذیر ہے یعنی "عالم نظام خلافت کی نبوی نوید"۔ دوسری نشست کا عنوان جو جمعہ ۴ / اکتوبر بعد نماز مغرب منعقد ہو گی، "نظام خلافت کی اہمیت اور برکات" طے پایا ہے اور اس میں مذکورہ بالا قابل احترام مقررین خطاب فرمائیں گے۔ ۵ / اکتوبر کی شام منعقد ہونے والی تیسری نشست میں ان شاء اللہ العزیز امیر تنظیم اسلامی، نظام خلافت کے قیام کے عملی طریقہ کی مفصل وضاحت فرمائیں گے۔

تنظیم اسلامی کے اکیسویں سالانہ اجتماع اور خلافت کانفرنس کی مناسبت سے زیر نظر شمارے میں دو مضامین خصوصی طور پر شامل اشاعت کئے گئے ہیں۔ ایک مضمون جس کا عنوان "تحریک اسلامی پاکستان، پس منظر اور پیش منظر" ہے، تحریک خلافت کے نائب ناظم جناب عبدالرزاق کا تحریر کردہ ہے اور دوسرا مضمون تنظیم اسلامی کے اجمالی تعارف پر مشتمل ہے جس کا عنوان ہے: "تنظیم اسلامی کا پیغام۔ نظام خلافت کا قیام"۔ ہمیں یقین ہے کہ تحریک اور تنظیم کے کام کو جاننے اور سمجھنے کے ضمن میں یہ دونوں مضامین مفید مطلب ثابت ہوں گے۔

☆ ☆ ☆

جمعہ ۲۷ / دسمبر کو کابل پر طالبان کا قبضہ اکثر حلقوں کے لئے سخت حیرت کا باعث بنا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے بعد ملک خانہ جنگی کا شکار ہو گیا تھا۔ ایک طرف صدر نجیب اللہ کی حکومت تھی جو روس کی پشت پناہی میں قائم ہوئی تھی اور دوسری طرف افغان مجاہدین کے گروہ تھے جو اب تک روسی فوجوں کے خلاف نبرد آزما رہے تھے اور اب نجیب حکومت کے خلاف مصروف جہاد ہو گئے تھے۔ ۱۹۹۲ء میں نجیب اللہ حکومت کے خاتمے کے بعد بھی جنگ کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ اب یہ جنگ خود مجاہدین کے مختلف دھڑوں کے درمیان تھی اور "جہاد فی سبیل اللہ" کی مقدس اصطلاح کی حرمت پامال ہو رہی تھی۔

اس دوران اچانک "طالبان" کے نام سے ایک نیا عنصر منظر پر آیا۔ پاکستان اور افغانستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ قائم مذہبی مدرسوں سے وابستہ نوجوانوں پر مشتمل اس گروہ کا نام پہلی مرتبہ جنوری ۹۵ء میں سننے میں آیا جب افغانستان کے بعض صوبوں میں انہیں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد طالبان کے قدم مسلسل آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ چند ہفتے قبل انہوں نے جلال آباد اور اب کابل پر اپنا پرچم لہرا دیا جس کے نتیجے میں افغانستان میں طالبان کی حکومت کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنے میں پاکستان کی حکومت پیش پیش رہی۔ اب تک کی صورت حال یہ ہے کہ بھارت اور روس کی طرف سے مایوسی کا اظہار کیا گیا ہے جبکہ امریکہ اور ایران نے اس بارے میں محتاط انداز اختیار کیا ہے۔

طالبان کی پشت پناہی کون کر رہا ہے؟ حکمت یار اور ربانی گروپ کی جانب سے مسلسل یہ الزام لگایا جاتا رہا

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

تحریک خلافت پاکستان

پس منظر و پیش منظر

عبد الرزاق، نائب ناظم تحریک خلافت پاکستان

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب گزشتہ ۳۰ برس سے ارض پاکستان میں دروس قرآن حکیم اور خطابات عام کے ذریعے اسلام کی انقلابی تعلیمات کو عام کرنے میں مصروف ہیں۔ موصوف نے ۱۹۶۶ء میں لاہور میں درس قرآن کے متعدد حلقے قائم کر کے دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز کیا۔ دعوت کے کام میں وسعت پیدا کرنے اور اسے منظم طور پر چلانے کے لئے انہوں نے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نام سے ادارہ قائم کیا، جس کا مقصد قرآن مجید کے علم و حکمت کو اعلیٰ علمی سطح پر پیش کرنا تھا۔ دین کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے اور ملک میں دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کے لئے مارچ ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کے نام سے ٹھیٹھ دینی جماعت قائم کی۔ یہ قافلہ منزل بمنزل آگے بڑھتا رہا۔ ملک میں قائم ظالمانہ، جاگیردارانہ اور استحصالی نظام سے نجات کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے ابتدا ہی سے انتخابی سیاست کی بجائے احتجاجی سیاست کا طریقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اسلامی انقلاب کا صحیح مفہوم اور اسے برپا کرنے کے نبوی ﷺ طریقے کو ملک کے تمام بڑے شہروں میں جلسے منعقد کر کے بیان کیا۔ اس دوران یہ بات سامنے آئی کہ اسلامی انقلاب کی بجائے نظام خلافت کی اصطلاح کو اختیار کر لیا جائے تو عوام تک بات پہنچانا زیادہ سہل ہو جائے گا اور اس کا response بھی اچھا ملے گا۔ ڈاکٹر صاحب محترم نے اپنے ساتھیوں سے طویل مشورہ کیا اور اس کے بعد ۱۹۹۱ء میں طے کیا کہ ہمیں نظام خلافت کے حوالے سے عوام کو educate کرنے کے لئے تحریک خلافت کا آغاز کرنا چاہئے اور اس ضمن میں عوام کا تعاون بھی حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے دو مرتبہ ملک گیر طوفانی دورے کر کے خیبر سے کراچی تک تمام علاقوں میں جلسوں، پریس کانفرنسوں اور پمفلٹس کے ذریعے تحریک خلافت کا غلغلہ بلند کر دیا۔

۳/ مارچ ۱۹۹۲ء کو راولپنڈی میں تحریک خلافت پاکستان کا تاسیسی کنونشن ہوا جس میں تحریک کے لئے تیار کردہ دستور کی منظوری دی گئی۔ ۱۳/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو تحریک خلافت پاکستان کو سوسائٹیز ایکٹ کے تحت باقاعدہ رجسٹر کروایا گیا۔ تحریک کے دستور کے مطابق تحریک کی رجسٹریشن کے چھ ماہ کے اندر ایک ملک گیر کنونشن اور مرکزی و علاقائی کمیٹیوں کے انتخابات کروانے ضروری تھے۔ چنانچہ ۱۰ تا ۲۵/ اپریل تمام علاقائی کمیٹیوں کے انتخابات مکمل ہوئے اور یکم مئی کو پہلا آل پاکستان خلافت کنونشن ملتان کے ریلوے سپورٹس گراؤنڈ میں منعقد ہوا اور مرکزی خلافت کمیٹی کے اراکین کا اعلان کیا گیا۔ یکم اگست ۹۳ء کو منعقد مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس میں داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے محترم جنرل محمد حسین انصاری صاحب کو تحریک خلافت پاکستان کی نظامت علماء کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ موصوف نے پاکستان کے تمام بڑے شہروں کے دورے کئے۔ جلسہ ہائے خلافت اور پریس کانفرنسوں کے ذریعے تحریک خلافت کو پورے ملک میں متعارف کروایا۔ مختلف مواقع پر تحریک خلافت کے تحت سیمینارز منعقد کئے گئے جن میں علماء و دانشور حضرات کو مدعو کر کے نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی۔ بڑے بڑے شہروں میں داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے نظام خلافت کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں پر سیر حاصل لیکچرز دیئے۔ نظام خلافت کے تعارف کے لئے ایک لاکھ سے زائد پمفلٹس پورے پاکستان میں تقسیم کئے گئے۔ اسٹیکرز، پوسٹرز اور بینرز کے ذریعے تحریک خلافت پاکستان کے مقاصد کو عام کیا گیا۔ ایسی خلافت کانفرنسیں بھی منعقد کی گئیں جن میں پاکستان کے علاوہ ترکی، لندن اور امریکہ سے مقررین نے آکر خطاب کیا۔ تحریک خلافت پاکستان کا عالمی سطح پر اتنا چرچا ہوا کہ عربوں کی عالمی تنظیم حزب التحریر نے تحریک کے داعی محترم ڈاکٹر صاحب کو لندن وہیلے ہال میں منعقد ہونے والی عالمی خلافت کانفرنس میں بطور خاص مدعو کیا جہاں محترم داعی تحریک نے عالمی خلافت کے قیام کے طریقہ کار پر بصیرت افروز خطبہ دیا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب کو عالمی پریس نے خصوصی اہمیت دی۔ ڈاکٹر صاحب نے نظام خلافت کی آواز کو پاکستان سے باہر مڈل ایسٹ سعودی عرب، یورپ اور امریکہ میں بھی پورے زور سے پہنچایا۔

ڈاکٹر صاحب محترم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کثیر تعداد میں لوگ تحریک خلافت پاکستان کے حلقہ معاونین میں باقاعدہ شامل ہوئے لیکن بوجوہ یہ کام توقع کے مطابق آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ اکثر مقامات پر معاونین تحریک خلافت، تحریکی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے وقت فارغ نہ کر سکے۔ اور تحریک خلافت کی انتظامی ذمہ داریوں کا تمام تر بوجھ بھی تنظیم اسلامی کے کارکنوں کے کاندھوں پر آگیا۔ چنانچہ باہمی مشاورت کے بعد تحریک خلافت کی سرگرمیوں کو عارضی طور پر محدود کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور تحریک کے مرکزی نظم کو برقرار رکھتے ہوئے مقامی خلافت کمیٹیوں کے نظم کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تحریک خلافت کے معاونین میں سے جو لوگ تحریک کے پیغام کو عام کرنے میں عملی طور پر حصہ لینے کے خواہش مند تھے ان کو تنظیم اسلامی کے حلقہ معاونین تحریک خلافت میں شامل کر لیا گیا۔ جبکہ وہ حضرات جو تحریک کے مقاصد کے حصول کے لئے مالی اور عملی تعاون پیش کرنا چاہتے تھے انہیں تحریک خلافت رجسٹرڈ کے اراکین میں شامل کر لیا گیا۔

تحریک خلافت پاکستان (رجسٹرڈ) موجودہ دور میں علمی و فکری سطح پر نظام خلافت کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں کو واضح کرنے کے لئے اور عوام کو نظام خلافت کی برکات سے روشناس کرانے کے لئے وقتاً فوقتاً خلافت سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کرتی ہے اور پمفلٹس کے ذریعے عوام میں نظام خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کا جذبہ پیدا کرنے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔

تحریک خلافت پاکستان کو دوبارہ عوامی تحریک کی صورت میں منظم کرنا ہمارے پروگرام میں شامل ہے۔ جونہی ضروری وسائل اور مطلوبہ افرادی قوت فراہم ہو گئی تحریک کو ان شاء اللہ دوبارہ پوری قوت سے اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے جب مسلمانان پاکستان کے عملی تعاون سے یہاں خلافت کا نظام بالفعل قائم کر کے اسلام کے نظام عدل و قسط کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ ○○

خلافت راشدہ کے بعد دینی اعتبار سے ہم مسلسل زوال کی طرف گئے ہیں

دور حاضر میں پورے معاشرتی نظام کو کنٹرول کرنے والی چیز' دستور ہے

ہمیں یورپ کا احسان مند ہونا چاہئے کہ انہوں نے ریاست کا مکمل ڈھانچہ وضع کیا ہے

خلافت راشدہ سے قریب تر اور عقلی اعتبار سے زیادہ معقول صدارتی نظام ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

اب ہمیں اجتماعی نظام پر بات کرنی ہے۔ انسانی اجتماعیت کے اندر مختلف سطحیں (Stages) ہیں جن کی ایک ترتیب تاریخی بھی ہے اور اہمیت کے اعتبار سے بھی۔ اس کے علاوہ ایک ترتیب قرآن حکیم اور دین کے حوالے سے بھی ہے۔

اجتماعیت کی پہلی سطح---عائلی نظام

انسانی اجتماعیت کا پہلا قدم ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان رشتہ ازدواج ہے۔ ایک مرد اور عورت کے اس رشتے سے ایک خاندان وجود میں آیا' اس سے آگے اولاد ہوئی جس سے خاندان کا یہ سلسلہ وسیع ہوا اور معاشرہ وجود میں آیا۔ گویا اجتماعیت کا پہلا قدم عائلی اور معاشرتی نظام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں اجتماعیت کے دوسرے گوشوں کی نسبت عائلی نظام کے بارے میں بڑے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ اگر پہلی اینٹ صحیح رکھی جائے تو پوری عمارت اوپر تک صحیح جائے گی۔ اور اگر پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھی گئی تو پھر بقول شاعر ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

قرآن میں سیاسی اور معاشی نظام کا ڈھانچہ موجود نہیں

قرآن حکیم میں سیاسی اور معاشی نظام کا کوئی ڈھانچہ سرے سے موجود نہیں ہے۔ سیاسی نظام کے صرف اصول دیئے گئے ہیں' جبکہ معاشی نظام کے کچھ اصول بھی دیئے گئے اور کچھ احکام بھی موجود ہیں۔ گویا قرآن حکیم کی ترتیب کی رو سے اجتماعی زندگی میں اہمیت عائلی اور خاندانی نظام کو حاصل ہے' جبکہ عہد حاضر میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہو گیا ہے۔ آج کی دنیا میں اہم ترین شے سیاسی اور دستوری ڈھانچہ ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ دستور میں طے ہو جائے گا گاڑی اسی کے مطابق چلے گی۔ مثلاً دستور کے اندر یہ طے کر دیا جائے کہ کوئی بھی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی تو ملک میں ایوب خان کے رائج کردہ عائلی قوانین بھی چیلنج کئے جا سکتے ہیں۔ گویا اس عہد میں پورے معاشرتی نظام کو کنٹرول کرنے والی چیز دستور ہے [۱]۔ لیکن قرآن حکیم نے دستوری ڈھانچے کے تمام مباحث کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔

دوسری اہم بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ جہاں تک ریاست کے پورے نظام کا تعلق ہے' مثلاً یہ کہ اعضاء ریاست (Organs of the state) کون کون سے ہیں' ان کے درمیان حقوق و فرائض کی تقسیم کس طرح ہوگی۔ نیز تحدید و توازن (Checks and Balances) کا پورا نظام کیسے وجود میں آتا ہے۔ غرض یہ سارا فن جس کو "State Craft" کا نام دیا گیا ہے' یہ تفصیلی ڈھانچہ ہمیں خلافت راشدہ میں بھی ابتدائی صورت میں ملے گا۔ ورنہ دنیا میں یہ پورا ڈھانچہ حقیقتاً بعد میں وجود میں آیا ہے۔ بعض حقائق کو جرأت کے ساتھ تسلیم کر لینے ہی سے بات آگے چلے گی۔ جب خلافت راشدہ کا عہد ختم ہوا تو اس وقت یہ امتیاز کہیں موجود نہ تھا کہ یہ انتظامیہ ہے' یہ مقننہ ہے اور یہ عدلیہ ہے۔ خلافت راشدہ میں یہ اصول ضرور تھا کہ اگر خلیفہ غلط راستے پر چلے تو اسے روکا جائے۔ اب کیسے روکا جائے؟ اس کا کوئی معین راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی بیعت کے بعد فوراً اعلان کر دیا کہ اگر میں سیدھا چلوں تو تم پر میری اطاعت فرض ہے اور اگر ٹیڑھا ہونے لگوں تو مجھے سیدھا کر دینا۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔ آپ نے

{۱} اس سلسلہ میں ہمارے ملک کی دستوری تاریخ میں ایک دلچسپ واقعہ بھی پیش آ چکا ہے۔ مشہور ماہر قانون اے کے بروہی کہیں یہ کہہ بیٹھے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ قرآن حکیم میں دستوری خاکہ موجود ہے میں اسے ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ ان کی بات ایک اعتبار سے صحیح تھی۔ ظاہر ہے کوئی تفصیلی دستوری خاکہ تو قرآن حکیم میں موجود نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے تو صرف اصول دیئے ہیں۔ قرآن نے نہ صدارتی نظام دیا ہے نہ پارلیمانی' نہ وفاقی نظام دیا ہے نہ وحدانی۔ بات تو بروہی صاحب کی اس حوالے سے درست ہی تھی' مگر سیاسی دباؤ کی وجہ سے وہ اپنی بات پر قائم نہ رہ سکے۔

ایک دفعہ مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے سوال کیا: میں سیدھا چلوں، صحیح حکم دوں تو تم کیا کرو گے؟ سب نے جواب دیا: نسمع ونطیع کہ ہم سنیں گے اور مانیں گے! اس کے بعد آپ نے پھر پوچھا اگر میں کوئی غلط راستہ اختیار کروں تو کیا کرو گے؟ اس پر ایک شخص مجمع میں سے کھڑا ہو گیا اور اس نے تلوار نیام سے باہر نکال کر کہا کہ ہم تمہیں اس سے سیدھا کر دیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے اردگرد کوئی اندھی بہری بھیڑ نہیں ہے بلکہ یہ زندہ اور ہوش مند لوگ ہیں جو عمر کو بھی سیدھا کر سکتے ہیں۔

خلافت راشدہ کے بعد

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ خلافت راشدہ کے بعد دینی اعتبار سے ہم مسلسل زوال ہی کی طرف گئے ہیں۔ بنو امیہ کے ۹۰ برس کے دور حکومت میں رفتہ رفتہ خلافت راشدہ کے امتیازی اوصاف ختم ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد بنو عباس کا دور شروع ہوا۔ اس میں تو ملوکیت اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہو گئی۔ دینی اعتبار سے تو ہم ضرور زوال سے دوچار ہوئے لیکن تمدنی و تہذیبی اعتبار سے اور علمی و فنی اعتبار سے مسلمانوں نے ایک ہزار برس تک دنیا کی امامت کی۔ دونوں باتوں کو پیش نظر رکھئے' اسلام گر رہا ہے مگر مسلمان نہیں گر رہا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے جس بلندی پر پہنچایا تھا وہاں سے گرتے گرتے بھی دنیاوی اعتبار سے غلبہ مسلمانوں کے پاس موجود رہا۔

عالم اسلام علوم و فنون کی معراج کو پہنچا ہوا تھا' جبکہ یورپ اس وقت سویا ہوا تھا۔ وہ خود بھی اس دور کو Dark Ages کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہاں سائنس اور فلسفہ پڑھنے کی اجازت ہی نہیں تھی۔ کسی گھر سے سائنس یا فلسفہ کی کوئی کتاب برآمد ہو جاتی تو اسے زندہ جلا دیا جاتا۔

غرض ایک ہزار سال تک مسلمانوں کا دبدبہ قائم رہا۔ اگر ایک سمت میں ان کے اقتدار کا سورج ڈوبا تو دوسری طرف سے طلوع ہو گیا۔ ہسپانیہ سے مسلمانوں کا خاتمہ ہوا تو مشرق کی طرف سے ترک اسلام کے علمبردار بن کر یورپ میں داخل ہو گئے ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے

ہماری غفلت اور مغرب کی بیداری

مسلمانوں کی کم و بیش یہ حالت ایک ہزار سال تک رہی۔ اس کے بعد ہمارے تین سو برس غفلت کی نیند سو جانے کے ہیں۔ یورپ کو ہم نے اپنی ہسپانوی یونیورسٹیوں سے بیدار کر دیا اور خود سو گئے۔ یورپ کو علم' ہنر' فلسفہ' سائنس اور منطق ہم نے سکھائے ہیں۔ اٹلی' فرانس اور جرمنی سے نوجوان اس طرح چل کر غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں میں آتے تھے جیسے آج کا ہمارا نوجوان یورپ اور امریکہ جاتا ہے۔ اس کے بعد کا علمی و تہذیبی ارتقاء کل کا کل وہاں ہوا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ "Give the devil his due" یعنی شیطان کو بھی اس کا جائز حصہ ملنا چاہئے۔ بمعنوائے الفاظ قرآنی لایجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ چنانچہ یہ بات ہر انسان جانتا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ارتقاء مغرب میں ہوا ہے۔ یہ بجلی کسی مسلمان نے تو ایجاد نہیں کی' اسی طرح یہ لاؤڈ اسپیکر' اسٹیم انجن' ہوائی جہاز' وائرلیس' یہ ساری ترقی یورپ ہی میں تو ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ ان کے باپ کی جائیداد نہیں ہے بلکہ نوع انسانی کی مشترک میراث ہے' ہمارا بھی اس پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ان کا ہے۔ حضور ﷺ کے ایک ارشاد کے مطابق ہمارا حق زیادہ ہے: الحکمۃ ضالۃ المومن' ھو احق بھا حیث وجدھا۔ یعنی حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے' وہ جہاں بھی اسے پائے یہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ انگریزوں کی ایجاد ہے' ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ اگر ہم یہ طے کر لیں گے کہ ہم غیروں کی کوئی چیز بھی استعمال نہیں کریں گے' تو ہم اپنے پاؤں پر کلہاڑا ماریں گے۔ ہماری اس روش سے ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔

انسانی حقوق کا احیاء اور ریاستی تنظیم کا ارتقاء

یورپ اور مغرب کی سائنسی ترقی کے اعتراف کے ساتھ ایک دوسری چیز بھی ہماری توجہ کی مستحق ہے۔ وہ یہ کہ محمد ﷺ نے ہمیں عوامی حقوق کا اعلیٰ و ارفع نظام {۲} دیا تھا' مگر اس کو ہم نے تو ضائع کر دیا' ہم سو گئے' مگر یورپ نے پھر خون دیا۔ فرانسیسیوں نے اپنے خون سے ملوکیت کا خاتمہ کیا اور جمہوریت لائے' انسانی حقوق کا تصور دوبارہ اجاگر کیا۔ انسانی حقوق کا یہ تصور ہم نے دیا تھا' لیکن ہم خود ہی اس سے محروم ہو گئے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
زانکہ از خاکش بروید آرزو

کہلوایا ہے:

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں

{۲} اس نظام سے اعلیٰ نظام تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے ---- ۱۹۳۷ء میں گاندھی اپنے وزراء کو ابوبکرؓ و عمرؓ کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کر رہا ہے۔ اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے (والفضل ما شھدت بہ الاعداء) مگر اس کے بعد ہم نے محل سجائے اور عیاشیاں شروع کر دیں۔ علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم میں ابلیس کی زبان سے

یا زنور مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است {۳}

بہرحال اس معاملے میں بھی ہمیں یورپ کا احسان مند ہونا چاہئے کہ انہوں نے ریاست کی پوری مشینری ایجاد کی ہے۔ یہ اصول بھی انہوں نے ہی دیا کہ ریاست کے تین اجزاء (اعضاء) مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ ہیں۔ یہ کام بھی ہم نے نہیں کیا ہے۔ جس طرح ہم ان کی سائنسی ایجادات کی نفی نہیں کرتے بلکہ ان سے استفادہ کرتے ہیں بالکل اسی طرح ہمیں ان چیزوں کی بھی نفی نہیں کرنی چاہئے۔ اگر ہم نے ان کے عمرانی اور سیاسی اصولوں کو اسلام کے اصولوں کے ساتھ اختیار نہ کیا تو نقصان اپنا ہی کریں گے۔ ہماری اس روش کا بھی ان کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔

عہد حاضر میں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ریاست کے اصول وہاں سے لینے ہوں گے' البتہ یہ دیکھنا ہوگا کہ جو چیز اسلام کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی اسے چھوڑ دیجئے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا معاملہ اس اعتبار سے بالکل مختلف ہے جو اسلام سے سو فی صد مطابقت رکھتی ہے' جبکہ عمرانی اور سیاسی فلسفہ و فکر قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ البتہ اس بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ جو چیز اسلام کے ساتھ سازگاری اختیار کر سکتی ہے وہ گویا ہماری متاع ہے۔ اس معاملے میں ہماری روش ہونی چاہئے "خذما صفا دع ماکدرا" {۴} بلکہ بقول شاعر ؎

خوش تر آں باشد مسلمانش کنی
کشتہ شمشیر قرآنش کنی {۵}

دنیا میں رائج دستوری خاکے اور صدارتی نظام کے اسباب برتری

جہاں تک تعلق ہے ریاست کے دستوری خاکے کا' تو اس کی ایک تقسیم تو پارلیمانی جمہوریت اور صدارتی جمہوریت کی صورت میں کی گئی ہے۔ دوسری تقسیم وفاقی' وحدانی اور ایک بہت ہی کم رائج نظام کنفیڈرل (یا میثاقی) نظام میں کی گئی ہے۔ ان میں سے جس کو بھی آپ اپنے حالات کے لحاظ سے پسند کریں اس کے اندر یہی چیزیں شامل کر کے اس کو خلافت میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

ان تین چیزوں کی وضاحت سے پہلے ایک اور اصولی بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ خلافت کا آئیڈیل نمونہ خلافت راشدہ ہے۔ اس خلافت راشدہ سے قریب تر اور عقلی اعتبار سے زیادہ معقول اور مسلم صدارتی نظام ہے' پارلیمانی نہیں ہے۔ خلافت راشدہ میں اختیارات کا ارتکاز خلیفہ کی ذات میں تھا۔ عہد حاضر میں امریکہ کا صدارتی نظام اس کے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ خلافت راشدہ میں خلیفہ کا انتخاب تاحیات ہوتا تھا جبکہ یہاں معاملہ ۴ یا ۵ سال کے لئے ہوتا ہے۔ امریکہ کے صدر کو منتخب ہونے کے بعد کانگریس کی ضرورت نہیں رہتی۔ امریکہ کے بارے میں یہ بات ہم مانتے ہیں کہ وہ دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے۔ اس حوالے سے بطور دلیل سمجھ لینا چاہئے کہ صدارتی نظام پارلیمانی نظام کی نسبت عمرانی ارتقاء کی بلند تر سطح پر ہے۔

اس بات کو دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ صدارتی نظام پارلیمانی نظام سے بہتر ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پارلیمانی نظام ان ممالک میں ہے جو برطانیہ کے محکوم رہے ہیں۔ ان ممالک کے باشندوں کی جو بھی تھوڑی بہت تربیت ہے وہ انگریزوں کے زیر سایہ اسی نظام کی ہے۔ ظاہر ہے جو نظام وہ خود اپنائے ہوئے تھے اسی کی تربیت بھی دیتی تھی۔ انگریزوں کی مجبوری یہ ہے کہ وہ اپنے ہاں کی بادشاہت کو بھی اپنی روایت کی بنیاد پر لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ملکہ یا بادشاہ بھی رہے' تاج بھی رہے' لیکن ان کے ہاتھ میں کچھ نہ ہو' لہٰذا ان کو "ثنویت" {۶} اختیار کرنی پڑی۔ ان کے ہاں دستوری طور پر ریاست کا سربراہ بادشاہ یا ملکہ ہے' جبکہ حکومت کا سربراہ وزیراعظم ہوتا ہے۔ تمام اختیارات پارلیمنٹ اور اس کے نمائندہ وزیراعظم کے پاس ہیں۔ اس وقت یہ نظام برطانیہ کے علاوہ ان ممالک میں ہے جو برطانیہ کے زیر نگیں رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ نظام ان ممالک میں ہے جو اس بیماری میں مبتلا ہیں کہ بادشاہ کو ایک یادگار کے طور پر ضرور سجا کر رکھنا ہے۔ میں اسے "Human Zoo" کہا کرتا ہوں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ بادشاہ یا ملکہ کی حیثیت یادگار سے زیادہ نہیں۔

ہمارے ملک میں بھی یہ نظام اس لئے ہے کہ ہم انگریز کے محکوم رہے ہیں۔ بھارت کے ہاں بھی اسی لئے ہے کہ وہ انگریز کا محکوم رہا ہے۔ ورنہ حقیقت یہی کہ یہ انتہائی نامعقول نظام ہے۔ میں نے اسے نامعقول اس لئے قرار دیا ہے کہ ایک کو تو آپ نے بنا دیا سربراہ ریاست اور دوسرے کو سربراہ حکومت' لیکن ان دونوں کے اختیارات میں توازن کیسے ہوگا؟ اس نظام میں کوئی توازن حقیقتاً ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک شخص کو آپ بناتے تو ہیں سربراہ ریاست مگر کر وہ کچھ بھی نہیں سکتا۔ اس سے زیادہ بھی کوئی نامعقول بات ہو سکتی ہے؟ اگر آپ نے کچھ اختیارات سربراہ ریاست کو بھی دے دیئے تو سمجھئے کہ دیو کی جان طوطے کی گردن میں آگئی۔ صدر صاحب جب چاہیں عوام کے منتخب وزیراعظم کی گردن مروڑ دیں۔ آٹھویں ترمیم کے بعد صدر تو ضیاء الحق جیسا ہی ہوگا کہ اس نے جونیجو صاحب کو ایک منٹ میں رخصت کر دیا۔ ورنہ صدر فضل الٰہی کی طرح ایوان صدر کا قیدی ہوگا' جس کی رہائی کے لئے دیواروں پر نعرے لکھے ہوں گے کہ "صدر فضل الٰہی چودھری کو رہا

{۳} تم (آج) جہاں کہیں رنگ و بو کی وہ دنیا دیکھتے ہو جس کی خاک سے "آرزو" نشو و نما پاتی ہے' وہ یا تو نور مصطفیٰ ﷺ سے روشن ہے یا اب تک تلاش مصطفیٰ ﷺ میں سرگرم ہے۔

{۴} صاف کو لے لو' گندے کو چھوڑ دو (عربی مثل ہے)

{۵} بہتر یہ ہے کہ (ان علوم کو) مسلمان کر لو۔ (اور) قرآن کی شمشیر سے (ان کے کفر کو) مار دو۔

{۶} ثنویت (دوئی) دو خدا ماننے والوں کا عقیدہ۔

کرو"۔ اگر صدر کے پاس کوئی کام ہی نہ ہوگا تو وہ بیٹھے بیٹھے تھک جائے گا۔ اور کچھ کرنے کو نہ ہوگا تو بیچارہ سازش ہی کرے گا۔

اصولی طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جدید ریاست کے جو تین گوشے عدلیہ' انتظامیہ اور مقننہ مقرر کئے گئے ہیں' صدارتی نظام میں بالکل علیحدہ ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کا سربراہ صدر منتخب ہونے کے بعد مقننہ (کانگریس) کا دست نگر نہیں ہوتا۔ امریکہ میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ کانگریس میں اکثریت ڈیموکریٹس کی ہے مگر صدر ری پبلکن پارٹی سے تعلق رکھتا ہے' مگر اس کے باوجود وہ بڑے اطمینان اور یکسوئی سے انتظامی امور سرانجام دیتا رہتا ہے۔ جبکہ قانون سازی کانگریس کا کام ہے جو کسی خارجی دباؤ کے بغیر اپنا کام کرتی رہتی ہے' لہٰذا کہیں کوئی گڑ بڑ نہیں ہوتی۔ عدلیہ پوری آزادی کے ساتھ آئین و قانون کی حفاظت کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔ اس کے برعکس پارلیمانی نظام میں مقننہ اور انتظامیہ گڈ مڈ ہوتے ہیں۔ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ کسی وقت بھی چند مینڈک پھدک سکتے ہیں یا چند گھوڑے بک سکتے ہیں۔ اور بے چارے وزیراعظم کا وقت انہی گھوڑوں کی رکھوالی میں صرف ہو جاتا ہے۔

پارلیمانی نظام کی خامیاں آج ہمارے سامنے زیادہ کھل کر آگئی ہیں۔ پاکستان کے حالیہ انتخاب {۷} کے بعد آزاد امیدواروں کی حکومتیں بنی ہیں۔ گویا آزاد امیدوار اکثریتی پارٹیوں کو بلیک میل کر رہے ہیں۔ بعض صوبوں میں تو یہ تماشا بھی دیکھا گیا کہ تمام آزاد امیدوار وزیر بن گئے اور پارٹی ممبران ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بن کر رہ گئے۔ صدارتی نظام اتنا صاف ستھرا ہے کہ آپ نے صدر کا انتخاب کر لیا۔ بس اب صدر جس کو اہل سمجھے وزیر بنائے۔ صدارتی نظام میں وزراء کا کانگریس سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ جب کہ پارلیمانی نظام میں وزراء کے لئے پارلیمنٹ کا رکن ہونا ضروری ہے۔ صدارتی نظام میں ان لوگوں کی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جو سیاست کے کھیل سے دور ہیں' لیکن کسی خاص شعبے میں ماہر (Expert) ہیں۔ مثلاً آپ کو مالیات کے لئے ایسا آدمی درکار ہے جو جدید معاشیات سے پوری طرح آگاہ ہو۔ اب ضروری نہیں کہ وہ پارلیمنٹ کا ممبر بھی ہو۔ مگر پارلیمانی نظام میں اس کی خدمات سے آپ استفادہ نہیں کر سکتے جب تک وہ پارلیمنٹ کا ممبر نہ بن جائے۔

نظام خلافت کے لئے تین لوازم

ان اصولی باتوں کے بعد اب ہم ان تین چیزوں پر روشنی ڈالیں گے جن کے شامل کرنے سے کسی بھی نظام حکومت کو خلافت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت

سب سے پہلے یہ بات تسلیم کی جائے کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے کیونکہ خلافت کے لئے پہلی شرط لازم ہی یہ ہے کہ بندہ حاکمیت سے اللہ کے حق میں دستبردار ہو جائے اور تسلیم کر لے کہ حاکمیت اللہ کے لئے ہے' بندہ محض اس کا خلیفہ ہے۔ {۸}

الحمدللہ ہمارے ملک میں دستور کی اساس قرار داد مقاصد میں اللہ کی حاکمیت کا یہ اقرار صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور ہمارے پاس جو بھی اختیارات ہیں' وہ ہمارے ذاتی نہیں بلکہ عطا کردہ یا delegated ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت ہیں۔

یہ اختیارات انہی حدود میں رہ کر استعمال ہوں گے جو اصل حاکم نے معین کی ہیں۔ گویا دستوری سطح پر خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔ جبکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں ملک کی آبادی کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ زیادہ سرکاری مذہب کا اعلان اس قسم کے الفاظ میں کر دیا جاتا ہے:

"Religion of State is Christianity"۔ ہمارے دستور میں سرکاری مذہب کا اعلان بھی ہے کہ وہ اسلام ہے' حالانکہ قرار داد مقاصد کی منظوری کے بعد اس اعلان کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

۲۔ کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی کی ممانعت

نظام خلافت کا دوسرا لازمہ یا دوسری شرط یہ ہے کہ دستوری سطح پر طے کر دیا جائے کہ یہاں کوئی قانون کتاب و سنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا۔ اس لئے اللہ کی حاکمیت کا نفاذ ہوگا کیسے؟ مقننہ جو بھی ہو' اس کا نام چاہے پارلیمنٹ ہو' مجلس ملی ہو' مجلس شوریٰ ہو یا کسی اور نام سے موسوم ہو' اس کا دائرہ قانون سازی کیا ہوگا؟ یہ ادارہ یعنی مقننہ جدید ریاستی ڈھانچے کا اہم حصہ ہے۔ وہ آج کل دستور اور بالخصوص بنیادی حقوق کے خلاف تو قانون سازی کرنے کا مجاز نہیں ہوتا' باقی اسے ہر قسم کے قوانین بنانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے' لیکن نظام خلافت میں یہ ادارہ اپنے اختیارات قانون سازی کو کتاب و سنت کے تابع رکھنے کا پابند ہوتا ہے۔ چنانچہ دستوری سطح پر یہ طے کر دیا جائے گا:

"Legislature's authority is limited by the injuctions of the

{۷} ۱۹۹۱ء کے انتخابات

{۸} ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم جس ملک میں رہ رہے ہیں اس میں دستوری سطح پر اللہ کی حاکمیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں یہ صرف ایک ہی ملک ہے جس کو یہ اعزاز حاصل ہے۔ ان لوگوں کے لئے دعا کرنی چاہئے جن کی کوششوں سے "قرار داد مقاصد" پاس ہوئی۔ یہ "قرار داد مقاصد" بڑے مشکل حالات میں منظور ہوئی تھی۔ جماعت اسلامی جب یہ مطالبہ لے کر اٹھی تھی ایوان میں صرف مسلم لیگی ارکان (یا ہندو) تھے اور جب یہ قرارداد پاس ہوئی تو ان مسلم لیگی ارکان میں سے بعض نے کہا تھا: "اس قرارداد کی وجہ سے دنیا کے سامنے ہمارے سر ندامت سے جھک گئے ہیں کہ ہم نے ایسی رجعت پسندانہ قرارداد پاس کی۔ ہم مہذب دنیا سے آنکھیں چار کرنے کے لائق نہ رہے"۔ ع "کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!"

Quran and Sunnah."

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱ میں اس مفہوم کی بہترین الفاظ میں تعبیر کی گئی ہے :

﴿ یایھاالذین امنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ﴾

"اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو"

اللہ کی حدود قرآن میں موجود ہیں جب کہ رسول کی حدود حدیث میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نمائندگی قرآن مجید کر رہا ہے جبکہ رسول کی قائم مقامی "سنت" کو حاصل ہے۔ چنانچہ آئینی سطح پر کسی استثناء کے بغیر کتاب و سنت کی کامل بالادستی قبول کرنی ہو گی۔ اگر اس میں ایک چیز بھی نکال دی تو پورا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ پھر ہم اس وعید کی زد میں ہوں گے جو سورۃ البقرہ کی آیت ۸۵ میں بنی اسرائیل کو سنائی گئی ہے :

﴿افتومنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض' فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزی فی الحیٰوۃ الدنیا' ویوم القیمۃ یردون الی اشد العذاب' وما اللہ بغافل عما تعملون O﴾

"تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو تو تم میں سے جو شخص یہ کام کرے اس کا بدلہ اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کو رسوائی ہو اور آخرت میں ان کو سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس وعید کا مخاطب بننے سے محفوظ رکھے۔ آمین!

کتاب و سنت کی بالادستی تسلیم کرنے کی ایک بہترین مثال ایک حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے :

﴿ مثل المومن کمثل الفرس فی آخیتہ یجول ثم یرجع الی آخیتہ﴾

"مومن کی مثال اس گھوڑے جیسی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہے' گھوم پھر کر اپنے کھونٹے کی طرف لوٹ آتا ہے"۔

آزاد گھوڑا تو جہاں چاہے چرتا پھرے لیکن کھونٹے سے بندھا گھوڑا تو بس وہیں تک جا سکتا ہے جہاں تک اس کی رسی اسے جانے کی اجازت دے۔ رسی کی لمبائی کے مطابق بننے والے دائرے کے اندر البتہ اسے مکمل آزادی ہے کہ جدھر چاہے جائے"۔

یہ حدیث مبارکہ اسلامی ریاست اور نظام خلافت کے دستور کی بہترین مثال ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اہل ایمان آزاد ہیں۔ وہ "امرھم شوری بینھم" کے اصول پر خود فیصلے کر سکتے ہیں۔ لیکن اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے۔

اسلامی ریاست میں متقننہ

ایک اور مغالطے کا ازالہ بھی ضروری ہے جو ہمارے مذہبی مزاج کے حامل اکثر لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اسلامی ریاست قائم ہو جائے تو چونکہ شریعت ساری کی ساری موجود ہے۔ لہٰذا کسی متقننہ کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ یہ سوچ دراصل کم فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ جدید صنعتی و سائنسی ترقی سے بے شمار نئے مسائل جنم لے چکے ہیں' جن کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں قانون سازی کی ضرورت ہے۔ صرف زکوٰۃ ہی کے بارے میں بے شمار مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ کارخانوں پر زکوٰۃ کیسے لگے گی؟ ٹرکوں اور بسوں کا کیا حکم ہے؟ کروڑوں روپیہ کی مشینری کا کیا حکم ہو گا؟۔ خود حکومت کی آمدنی سے اخراجات کا Allocation یعنی مختلف مدات مثلاً تعلیم' صحت' دفاع' تعمیر و ترقی پر اخراجات کا تعین اور ان کے مابین تناسب' یہ سارے کام متقننہ کو کرنے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اگر ہم فی الواقع دور حاضر میں اسلامی قانون کا نفاذ چاہتے ہیں تو اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہو گا جو ہم نے از خود کئی سو سال سے بند کر رکھا ہے۔

اس ضمن میں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ ہمارا دین اللہ کا دیا ہوا دین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ الحکیم ہے۔ چنانچہ ہمارے دین میں اصول یہ نہیں ہے کہ کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی جس کی جڑیں کتاب و سنت میں موجود نہ ہوں۔ ایسی صورت میں قانون سازی کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا' بلڈنگ کنٹرول کے قوانین' ٹریفک کے قوانین' مختلف قسم کے لائیسنسوں کے قوانین' ڈرائیونگ کے قوانین' جہاز رانی کے قوانین' سول ایوی ایشن کے قوانین' غرض یہ بے شمار قوانین کیسے بنائے جا سکتے۔ چنانچہ ہمارے دین میں اصول یہ دیا گیا ہے کہ آپ کتاب و سنت کے منافی کوئی قانون نہ بنائیں۔ اس طرح قانون سازی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ ہمارے فقہاء کا اصول یہ ہے کہ ہر شے حلال ہے الا یہ کہ کسی چیز کی حرمت ثابت ہو جائے اور اگر اصول یہ ہوتا کہ ہر شے حرام ہے الا یہ کہ کسی چیز کا حلال ہونا ثابت ہو جائے تو حلال کا دائرہ بہت سکڑ جاتا جبکہ حرام کا دائرہ بہت پھیل جاتا۔ چونکہ مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور مباحات کے دائرے میں قانون سازی کی جا سکتی ہے اس لئے قانون سازی کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔

پارلیمنٹ اور اجتہاد

اسی بات کو علامہ اقبال نے کہا ہے کہ اب اجتہاد پارلیمنٹ کے ذریعے ہو گا۔ اگرچہ ان کی اس بات کو ان کے فرزند نے بہت الجھا کر فساد ذہنی پیدا کیا ہے مگر میں علامہ اقبال کی اس بات کو صد فیصد درست مانتا ہوں' کیونکہ پارلیمنٹ کے ذریعہ جو اجتہاد ہو گا وہ قرآن و سنت کے اندر رہتے ہوئے ہو گا۔ اجتہاد تو ہوتا ہی وہ ہے جو کتاب و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو۔

اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ پارلیمنٹ جو کچھ بھی پاس کر دے وہی دین بن جائے۔ اس لئے کہ اگر پارلیمنٹ کے اختیارات کو اتنی وسعت دے دی تو حاکمیت پارلیمنٹ کے پاس چلی جائے گی۔ جبکہ اسلامی ریاست میں حاکمیت فقط اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف عوامی حاکمیت کا جو تصور ہے وہ تو کفر اور شرک ہے۔ ہمیں "عوامی حاکمیت" اور "عوامی خلافت" کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

یہ ہے پارلیمانی اجتہاد کی اصولی اور عملی صورت۔ یہ عہد حاضر کے چند اہم مسائل ہیں۔ ان کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اسلام میں مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ایک معاملہ میں مثلاً میں کہتا ہوں کہ یوں ہونا چاہئے جبکہ کوئی دوسرا شخص اجتہاد کرتا ہے کہ معاملہ کسی دوسری طرح ہونا چاہئے' اور اس کے نزدیک اسی کی رائے اقرب الی السنہ ہے تو مندرجہ بالا صورت میں کس کا اجتہاد نافذ ہو گا؟ یہ بات پارلیمنٹ طے کرے گی۔ ظاہر ہے کہ مباحات کے بارے میں پارلیمنٹ طے کر سکتی ہے۔ ہاں وہ حرام کو حلال نہیں بنا سکتی۔ معاملہ اگر مباحات کا ہے تو اکثریت سے طے کر لیجئے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اصول تسلیم کر لینا چاہئے کہ ایسے معاملات کو پارلیمنٹ طے کرے گی۔

اسی بات کو ایک اور حوالے سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ دور بنو عباس میں امام اعظم پر دباؤ ڈالا گیا کہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر لیں' آپ کے اجتہادات پر پورا نظام چلے گا' مگر امام ابو حنیفہؒ نے انکار کر دیا۔ انکار اس لئے کیا کہ اسلامی قانون ابھی "formative stage" میں تھا۔ میں بھی اجتہاد کر رہا ہوں' دوسرے مجتہدین بھی ہیں' لہٰذا میں یہ حق اپنے لئے اختیار کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ میرا ہی اجتہاد سب پر نافذ ہو جائے۔ امام ابو حنیفہؒ جانتے تھے کہ قوت نافذہ بادشاہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ میرا انتخاب کر رہا ہے۔ اس لئے میرا اجتہاد نافذ ہو جائے گا۔

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ آج سے چند سو سال قبل اورنگزیب عالمگیر نے علماء کی ایک کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی نے اپنے دور کے مطابق فتاویٰ مرتب کر دیئے۔ حالانکہ فتاویٰ اور فقہ کی کتابیں پہلے بھی موجود تھیں لیکن حالات کی تبدیلی کے تحت اجتہاد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ علماء کو نامزد کیا گیا تھا۔ دور ملوکیت میں بادشاہ کو علماء جو پسند تھے انہی کو لا کر جمع کر دیا گیا۔ یہ منتخب ادارہ نہیں تھا۔ اس لئے کہ اس وقت قوت نافذہ بادشاہ کے پاس تھی۔ آج قوت نافذہ ایک شخص کے پاس نہیں رہی بلکہ پارلیمنٹ کے پاس چلی گئی ہے۔ چنانچہ آج وہی اجتہاد نافذ ہو گا اور قانون کا درجہ حاصل کرے گا جو پارلیمنٹ منظور کرے گی۔

نامے میرے نام

محترم جناب عاکف سعید صاحب
ایڈیٹر ندائے خلافت
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۶ ستمبر ۹۶ء کے ندائے خلافت میں آپ نے لاہور میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت اور دہشت گردی کا ذکر فرمایا۔ جس ذہنی پریشانی سے آپ سب گزر رہے ہوں گے اس کا احساس کراچی میں بسنے والے بخوبی لگا سکتے ہیں' اور جہاں اپنے لئے ہم دعا کر رہے ہیں وہاں اہل لاہور اور باقی پاکستانیوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد لے کر حاضر ہیں۔

اس وقت آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ آپ تک شاید کچھ حقائق نہیں پہنچ رہے۔ اسی لئے آپ نے تحریر فرمایا "کچھ عرصہ قبل کراچی میں قتل و غارت گری اور بدامنی اپنے عروج پر تھی" تو عرض یہ کرنا ہے کہ یہ "تھی" کی اطلاع شاید ptv کے خبرنامہ کے ذریعہ آپ تک پہنچی ہے۔ ورنہ آج بھی ڈاکے اور تمام دوسرے واقعات اسی طرح جاری ہیں جس طرح پہلے تھے۔ جس چیز میں کمی آئی ہے وہ "اجتماعی" دہشت گردی ہے یعنی کسی ایک مقام پر ۱۰'۱۵ آدمی ایک دفعہ قتل کر دیئے گئے۔ یہ اب نہیں ہو رہا۔ ورنہ لاقانونیت' دہشت گردی' غنڈہ گردی آج بھی عروج پر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اب ڈاکہ اور ایک دو قتل کوئی اخباری "خبر" نہیں بنتے۔

لاہور میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے ہم کراچی والے اس کے اگلے phase میں داخل ہو گئے ہیں اور اس کی بنیاد پر آپ لاہور والوں کو آنے والے واقعات کی واضح تصویر دکھا سکتے ہیں کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔

آپ نے سنا ہو گا کہ انگریزی میں کہتے ہیں کہ

If you cannot fight them, join them

اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے کراچی کی سڑکوں پر متعین پولیس اور rangers نے ڈاکوؤں کو جوائن (join) کر لیا ہے۔ اب اگر گن پوائنٹ پر ڈاکو کے ہاتھ سے بچ بھی جائیں تو پولیس والے سے کیسے بچیں گے!! آپ سواری پر ہیں فیملی کے ساتھ' پولیس والا گاڑی روکتا ہے' پوچھتا ہے کہ آپ کہاں رہتے ہیں؟ کہاں کام کرتے ہیں؟ آپ بتاتے ہیں۔ ثبوت میں دفتر کا کارڈ بھی دکھاتے ہیں' جسے وہ جیب میں رکھ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ممکن ہے آپ سچ کہہ رہے ہوں لیکن ہمیں تحقیق کرنا ہو گی! اور اس دوران آپ اور آپ کی گاڑی تھانہ میں رہے گی!! تحقیق میں دو چار دن بھی لگ سکتے ہیں!! اگر یہ منظور نہیں ہے تو آپ کی بات پر یقین کرنے کی "قیمت" پولیس والا (یا rangers) وصول کرے گا۔ اگر میری باتوں کا یقین نہیں تو لاہور میں اگلے phase کا انتظار فرمایئے۔

والسلام مع الاکرام
اختر ندیم' کراچی

{۹} امام ابو حنیفہؒ کا یہ انکار ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ اور وہ سید الطائفہ اور امام اعظم کہلانے کے مستحق ہیں۔

انقلاب کی آندھی چلنی شروع ہو گئی ہے

میر مرتضیٰ کا قتل۔ ملک میں گلوٹین کی سیاست کا حرف آغاز ہے

محمد بدر منیر

قارئین کرام! میں نے اپنے گزشتہ کالم میں گزارش کی تھی کہ وطن عزیز میں انقلاب کی آندھیاں چلنے والی ہیں' چنانچہ اس کی شروعات میر مرتضیٰ بھٹو جیسے اولوالعزم' معتدل مزاج اور نوجوان سیاست دان کی سفاکانہ موت سے ہوئی ہے۔ میر مرتضیٰ کے انداز سیاست کا میں کبھی بھی حامی نہیں رہا اور نہ ان کے افکار و خیالات سے مجھے اتفاق تھا لیکن میں ان کی اظہار رائے کی آزادی کا حامی تھا اور اختلاف رائے کو زبان و قلم کی حدود سے آگے بڑھانے کا سخت ترین مخالف تھا لیکن وطن عزیز میں اسلحہ کی زبان میں "مذاکرات" کا جو سلسلہ گزشتہ ستائیس سال سے جاری ہے اب آہستہ آہستہ اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکا ہے' بھٹو صاحب نے "تلوار" اور ان کی صاحبزادی نے "تیر" کو اپنی سیاست کی علامت قرار دیا تھا' اس تلوار نے خود اس کے بانی کا کام تمام کیا اور "تیر" نے برادر عزیز کو زندگی کی رعنائیوں سے محروم کر دیا۔

میر مرتضیٰ سے میری براہ راست کبھی بھی ملاقات نہیں ہوئی' ایوب خان کے اقتدار کے ابتدائی دنوں میں جب بیگم بھٹو ۷۰ کلفٹن سے سینئر وزیر جنرل اعظم کی رہائش گاہ کلیرج ہاؤس آیا کرتی تھیں تو بے نظیر بھٹو اور مرتضیٰ ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے اور دونوں چاکلیٹ کے لئے ضد کیا کرتے تھے' بیگم بھٹو تو بیگم اعظم خان کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہو جاتی تھیں اور یہ دونوں شاہین اور شہزاد کے ساتھ اچھل کود میں مصروف ہو جاتے یا پھر کچن کے قریب فریج میں سے جوس نکال کر پیا کرتے تھے اور خوب ہنسا کرتے تھے' ان چاروں کی ہنسی آج بھی میرے تصورات میں محفوظ ہے' اگرچہ اب یہ چاروں اپنے اپنے گھر بار کے مالک ہیں بلکہ ان میں سے ایک تو ملک کی مالک ہے اور دوسرا ابدی سفر پر روانہ ہو چکا ہے لیکن ان دنوں کی یادیں اب بھی ذہن میں اسی طرح تازہ ہیں جیسے یہ کل کی بات ہو۔ پھر ایک عرصہ تک ان لوگوں سے کوئی ملاقات ہوئی نہ رابطہ ہوا۔ اقتدار کی مصلحتوں نے ان کے راستے بدل دیئے' پھر ایک بار ایسا ہوا کہ ۱۹۸۸ء کے انتخابات سے قبل جنرل اعظم ملاقات کے لئے ۷۰ کلفٹن پہنچے تو بے نظیر نے بڑی سرد مہری کا سلوک کیا' ان کا خیال تھا کہ اعظم خان ان سے ٹکٹ مانگنے کے لئے آئے ہیں لیکن جب اعظم خان نے ایسی کوئی بات نہیں کی تو بے نظیر نے کوشش کی کہ جنرل اعظم خان سے اپنی سرد مہری کا ازالہ کریں لیکن اس وقت تک جنرل اعظم رخصت کے لئے تیار ہو گئے تھے' پھر انہوں نے بے نظیر سے کوئی ملاقات نہ کی البتہ مرتضیٰ کا رویہ بالکل مختلف تھا۔ میر مرتضیٰ میں وضعداری نبھانے کی تمام روایات موجود تھیں۔ جب جنرل اعظم کا انتقال ہوا تو میر مرتضیٰ نے طویل تعزیت نامہ ارسال کیا اور پھر وہ ان کے اہل خانہ سے ملنے کے لئے بھی آئے۔ وزیر اعظم نے ہمدردی کا ایک رسمی ٹیلیگرام بھیجا جب کہ فاروق احمد خان لغاری نے دو تعزیت نامے بھیجے ایک پشاور کے پتے پر اور ایک لاہور۔

میر مرتضیٰ شخصیت کے لحاظ سے اپنے والد اور اپنی ہمشیرہ سے مختلف تھے' ان میں کام کرنے کا جذبہ بھی تھا اور وہ عوام کی حالت زار پر دکھ بھی محسوس کرتے تھے' میں نے "فیملی میگزین" کے لئے ان کی اہلیہ سے ایک انٹرویو بھی لیا تھا' انہوں نے اپنے انٹرویو میں اپنے شوہر کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا اس نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔

ان کے قریبی دوستوں میں سے سبکتگین مجید اور ڈاکٹر مخدوم خلیق الزمان سے سلام دعا تھی۔ ان دونوں حضرات نے جس بہادری کے ساتھ اپنے دوست کا ساتھ دیا وہ جاگیردارانہ روایات کے بالکل برعکس تھا اور اور مرتضیٰ بھی ان دونوں پر بے حد اعتماد کیا کرتے تھے۔

میر مرتضیٰ نے مختلف مقدمات سے بریت حاصل کی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بھائی اور بہن کے درمیان نیا تنازعہ شروع ہو گیا۔ وزیر اعظم صاحبہ نے فوری طور پر اپنے شوہر کے مشورے پر پارٹی کی قیادت سے اپنی والدہ کو معزول کر کے خود قیادت سنبھال لی۔ اس پر اندرون خانہ کافی افواہیں پھیلیں۔

ایک افواہ یہ بھی تھی کہ سوئٹزرلینڈ کے دو بینکوں میں جمع کم و بیش اڑھائی ارب ڈالر کی تقسیم پر ان کے درمیان تنازعہ ہے زرداری صاحب کا خیال تھا کہ وہ اس رقم سے یورپ کے مختلف ممالک میں کنسٹرکشن کا کوئی بزنس شروع کر سکتے ہیں جبکہ مرتضیٰ اس رقم کو پاکستان میں صرف کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ ان دونوں سوئس اکاؤنٹس کی "چابی" بیگم نصرت بھٹو کے پاس ہے اور ان کا ووٹ اپنے صاحبزادے کے حق میں تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میر مرتضیٰ کی المناک موت کے بعد بیگم بھٹو کیا فیصلہ کرتی ہیں؟

بہرحال یہ ان کا خاندانی مسئلہ ہے ----

سوال یہ ہے کہ یہ مرتضیٰ کو کس نے قتل کیا اور کیوں کیا؟ اس سوال کا جواب شاید کافی تاخیر سے ملے لیکن بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کے ذریعے ہم قیاس آرائی ضرور کر سکتے ہیں۔ مثلاً اپنی جوانمرگی سے چند قبل انہوں نے انکشاف کیا تھا کہ ---

"میں نے اپنے والد کے قتل کا بدلہ لے لیا"

ان کے اس جملے کو اگر پورے سیاق و سباق میں لیا جائے تو اس کے فطری ڈانڈے حادثہ بہاولپور سے جا ملتے ہیں۔

انہوں نے اپنی موت سے چند گھنٹے قبل ایک پریس کانفرنس میں واضح طور پر وفاقی وزیر داخلہ اور وزیر اعلیٰ سندھ پر الزامات لگائے کہ وہ سیکرٹ فنڈ سے کروڑوں روپے کھا پی رہے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ---- اگر میں بعض رازوں کو ظاہر کر دوں تو طوفان آ جائے گا۔

جن لوگوں نے بھی میر مرتضیٰ بھٹو کو کلاشنکوف کے ذریعے خاموش کیا ہے شاید ان کے تصور میں بھی نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں ملک میں کتنی بڑی تباہی آ سکتی ہے' گلوٹین کی سیاست جب بھی شروع ہوئی وہ لاکھوں جانوں کا نذرانہ لئے بغیر ختم نہیں ہوئی' اس کی ان گنت مثالیں ہیں۔ بیسویں صدی ہی میں سوویت یونین' خلافت عثمانیہ' چین' ایران اور اب

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

چیچنیا کے عوام کا حق خود مختاری قبول کیا جانا چاہئے تھا

روس، امریکہ اور مغربی ممالک ہرگز پسند نہیں کرتے کہ مسلمان ریاستیں آزادی سے ہمکنار ہوں

یلسن دوبارہ صدر منتخب ہوئے تو انہوں نے معاہدے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مجاہدین کے ٹھکانوں پر شدید حملہ کر دیا

شمس العارفین

بالآخر ۳۱/ اگست ۱۹۹۴ء کو چیچنیا، روس امن معاہدہ طے پا گیا۔ فریقین نے اس امن معاہدہ پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے دستخط ثبت کر دیئے ہیں۔ اس معاہدے میں چیچنیا کی سیاسی حیثیت کے اہم ترین سوال کو لگ بھگ پانچ سال کے لئے موخر کر دیا گیا ہے۔ اس دوران ایک کمیشن قائم کیا جائے گا جو چیچنیا میں روسی افواج کے انخلاء، معاشی معاملات، جنگی قیدیوں کے تبادلے جیسے امور کی نگرانی کرے گا۔ یہ معاہدہ یورپی تنظیم برائے سلامتی و تعاون (OSCE) کی زیر نگرانی طے پایا اور اس پر یورپی تنظیم کے نمائندے کے دستخط موجود ہیں۔ مذکورہ معاہدے کو روسی قومی سلامتی کونسل کے سربراہ الیگزینڈر لیبڈ (lebed) کی ڈپلومیٹک مہارت کی بڑی کامیابی قرار دیا جا رہا ہے۔ چیچنیائی افواج کے کمانڈر اسلان مخادوف (Aslan Maskhadov) نے، جنہوں نے مجاہدین کی جانب سے اس معاہدے پر دستخط کئے، لیبڈ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ بالآخر ہمیں ایک ایسا آدمی مل ہی گیا جو جنگ کے خاتمے کا خواہاں ہے۔ لیکن اس معاہدے میں کئی خلا موجود ہیں جن کی بدولت بعض تعبیرات میں شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مستقبل میں کسی نئے تصادم کے امکان کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔

حالیہ چیچنیائی جدوجہد کا آغاز شہید صدر دیدوف (Dadyev) کی زیر قیادت ۱۹۹۰ میں ہوا۔ اب تک چالیس ہزار افراد اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ اس جہاد حریت میں کئی دوسرے مسلمان ممالک کے مجاہدین نے بھی چیچنیائی مسلمانوں کے شانہ بشانہ روسی افواج کی جارحیت کا مقابلہ کیا۔ ایک اندازے کے مطابق غیر ممالک سے چیچنیا آنے والے مجاہدین کی تعداد تقریباً دو سو ہے۔ روس کو گزشتہ ۲۱ ماہ کے دوران بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ افغانستان کے تلخ تجربے کے بعد روس کو سبق حاصل کرنا چاہئے تھا لیکن دنیا کے سامنے اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے شوق میں اس نے مستقل جارحانہ رویہ اپنائے رکھا۔ چیچنیا کے اعلان آزادی سے پہلے بالٹک ریاستوں لیٹویا (Latva)، اسٹونیا (Estonia) اور لیتھویا (Lathvia) نے آزادی کا مطالبہ کیا جس کو روس نے تسلیم کر لیا۔ لیکن چیچنیا کے عوام کا حق خود مختاری قبول نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ روس امریکہ اور مغربی ممالک یہ پسند نہیں کرتے کہ مسلمان ریاستیں آزادی سے ہمکنار ہوں۔ اور دوسری اہم وجہ قفقاز کے علاقے (Cavcasian region) سے نکلنے والا سیال سونا ہے، جس کا روس کی معیشت سے گہرا تعلق ہے۔ چیچنیا میں اسی (۸۰) کی دھائی میں تیل کے ذخائر جو دریافت ہوئے تھے ان کا اصل فائدہ روسیوں نے اٹھایا۔ اس سے بھی اہم تر بات یہ ہے کہ بحر کیسپین (Caspian Sea) سے لے کر بحر اسود (Black Sea) تک تیل کی ترسیل کے لئے ایک پائپ لائن بچھی ہوئی ہے، جو چیچنیا سے گزرتی ہے۔ اس پائپ لائن کے ذریعے روزانہ تین لاکھ چالیس ہزار بیرل تیل بحر کیسپین سے بحر اسود تک پہنچایا جاتا ہے۔ حال ہی میں قازقستان (Kazkhaztan) سے تیل کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے ہیں، جن کے بارے میں اندازہ یہ ہے کہ شاید عرب ممالک کے ذخائر سے بھی وسیع تر ہیں۔ ان ذخائر سے تیل کی ترسیل بحر اسود تک نئے متبادل راستوں سے ہو گی لیکن متبادل پائپ لائین ۱۹۹۹ء میں کام کا آغاز کرے گی۔ اس وقت تک واحد راستہ چیچنیا کی سرزمین سے گزرنے والی پائپ لائن ہے۔ اس لئے روس ہر صورت میں چیچنیا کو روسی فیڈریشن میں رکھنے پر زور لگا رہا ہے۔ چونکہ متبادل پائپ لائنیں بچھانے کے لئے سرمایہ کا بڑا حصہ امریکی تیل کمپنیوں نے فراہم کیا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ امریکہ بھی درپردہ روسی پالیسی کا ہمنوا ہو۔

موجودہ جنگ آزادی

اسی (۸۰) کی دھائی کے اواخر میں جب روسی صدر گوبا چوف نے پریسٹرائیکا (Prestroika) نامی اصلاحات متعارف کروائیں تو بہت سی ریاستوں نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۹۱ میں جب بالٹک ریاستوں لیتھونیا (Lithunia) اور لیٹویا (Latvia) نے آزادی کا اعلان کیا تو اس وقت شہید صدر دیدوف (Dadayev) وہاں ایک ایئر بیس پر بطور کرنل تعینات تھے اور جب صدر گورباچوف ہوائی جہازوں کے ذریعے بالٹک ریاستوں کی طرف فوج روانہ کی تو جنرل دیدوف نے اسے ایئر بیس پر لینڈ کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ یہیں سے دیدوف کی بین الاقوامی شہرت کا آغاز ہوا۔ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو انہیں چیچنیا کا صدر منتخب کر لیا گیا یکم نومبر ۱۹۹۱ء کو انہوں نے چیچنیائی عوام کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے روس سے آزادی کا اعلان کر دیا۔ شہید دیدوف کو باغی قرار دے دیا گیا۔ ۱۱/ دسمبر ۱۹۹۴ء کو روس کے صدر یلسن نے چالیس ہزار مسلح افواج کو چیچنیا روانہ کیا تاکہ تحریک آزادی کو کچلا جا سکے لیکن ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ۲۴ اپریل ۱۹۹۶ء کو دیدوف گہلی چو (ehlichv) کے مقام پر راکٹ کا نشانہ بن گئے اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد زیلم خان مجاہدین کے لیڈر بنے اور انہوں نے اب تک اس جدوجہد کو جاری رکھا ہوا ہے۔

پہلا امن معاہدہ

تمام تر جارحیت اور تشدد کے باوجود روسی افواج مسلمانوں کو مغلوب کرنے میں ناکام رہیں تو ۱۹۹۶ء میں

ہونے والے صدارتی انتخابات میں کامیابی کی خاطر صدر یلسن نے چیچن مجاہدین سے معاہدے کا فیصلہ کیا' جس کے تین نکات تھے۔

ا) تمام عسکری کارروائیاں فوراً بند کر دی جائیں گی۔

ب) دو ہفتوں میں قیدیوں کا باہم تبادلہ کیا جائے گا۔

ج) مسئلے کے حل کے لئے فریقین مستقل گفت و شنید جاری رکھیں گے۔

لیکن جیسے ہی یلسن دوبارہ صدر منتخب ہو گئے۔ انہوں نے معاہدے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ۱۰ جولائی کو مجاہدین کے ٹھکانوں پر شدید حملہ کر دیا لیکن اس مرتبہ بھی روسی افواج کو ذلت آمیز ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

حالیہ امن معاہدہ

صدر یلسن نے ایک انتخابی معاہدے کے تحت صدارتی امیدوار الیگزینڈر لیبڈ (Lebed) کو قومی سلامتی کونسل کا سربراہ بنا دیا۔ وہ روس میں اس فوجی لابی کے نمائندے ہیں جو چیچنیا پر فوج کشی کے خلاف ہے۔ انہوں نے چیچنیا کا فوری دورہ کر کے جنگ بندی اور کسی قابل عمل حل کی کوششیں شروع کر دیں جس کے نتیجے میں ۳۱/اگست ۱۹۹۶ء کو ایک امن معاہدہ طے پایا جس پر روس کی طرف سے لیبڈ نے اور چیچنیا کی طرف سے چیچن افواج کے کمانڈر اسلان مسخادوف (Aslan Maskhadof) اور یورپی تنظیم برائے سلامتی و تعاون (osce) کی طرف سے اسکے نمائندے نے دستخط کئے۔ اس معاہدے کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں۔

ا) فریقین فوری طور پر جنگ بند کر دیں گے۔ روسی افواج گروزنی سے نکل جائیں گی۔

ب) یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء تک ایک مشترکہ کمیشن تشکیل دیا جائے گا۔ جو روسی افواج کے چیچنیا سے انخلاء کی نگرانی کے علاوہ علاقے میں جرائم و تشدد کی روک تھام کے اقدامات کرے گا۔

ج) مذکورہ بالا کمیشن چیچن' روس مالی تعاقات کے لئے تجاویز پیش کرے گا۔ علاوہ ازیں علاقے کی معاشرتی و معاشی بحالی کے لئے پروگرام وضع کرے گا۔

د) چند ماہ میں چیچنیا میں عام انتخابات کروائے جائیں گے جو چیچن انتظامیہ کی زیر نگرانی ہوں گے۔

ز) چیچنیا کی سیاسی حیثیت کا فیصلہ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء تک کیا جائے گا۔

اس امن معاہدے کے بارے میں اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا یہ معاہدہ پانچ سال تک چیچنیا میں امن وامان کی صورت حال برقرار رکھ سکے گا؟ جس کا جواب یہ ہے کہ روس کے سابقہ ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناممکن نظر آتی ہے۔ مزید برآں اس معاہدے میں کئی خلا ہیں جو کسی وقت تنازعہ کا باعث بن سکتے ہیں مثلاً:

ا) اس معاہدے میں چیچنیا کی آزادی کے سوال کو پانچ سال تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے حالانکہ یہی مسئلہ جنگ کی بنیاد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین نے چیچنیا کی سیاسی حیثیت پر کسی قدر پسپائی اختیار کی ہے۔ اگرچہ اس معاہدے پر دستخط کے معاً بعد ایک مجاہد لیڈر سعید خاسان ابو سلموف (Saeed Khassan Abuslmof) نے کہا ہے کہ معاہدے میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ چیچنیا روس کا حصہ ہے۔ ہمارے لئے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی چیچنیا آزاد رہے گا' جبکہ بورس یلسن نے کئی بار یہ کہا ہے کہ چیچنیا کو روس کا حصہ رہتے ہوئے اپنی سیاسی حیثیت کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ معاہدے کی وضاحت میں یہ تنقص مستقبل میں خطرناک صورت حال اختیار کر سکتا ہے۔

ب) امن معاہدے میں یہ تو کہا گیا ہے کہ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء تک چیچنیا کی سیاسی حیثیت کا فیصلہ ایسے طریقے سے کیا جائے گا جس سے حقوق انسانی اور لوگوں کے حق خودارادیت کو تحفظ ملے اور عوام اپنی آزاد رائے کا اظہار کر سکیں' لیکن ان تمام معاملات کو طے کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کے لئے قانون سازی کون کرے گا؟ کیا اس کے لئے ریفرنڈم کروایا جائیگا یا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے گا؟ وغیرہ ان میں سے کسی ایک سوال کا جواب بھی معاہدے میں موجود نہیں۔ روسی نمائندے لیبڈ (lebed) نے کہا ہے کہ یہ معاملہ خاموشی سے دانشمندانہ اور مہذب انداز میں طے پائے گا' انہوں نے مزید فرمایا کہ "اس کا فیصلہ چند مہینوں میں یا اگلے سال بذریعہ ریفرنڈم کیا جاسکتا ہے"۔ کیا واقعی ایسا ممکن ہے۔؟ اس وقت یہ کہنا خاصا مشکل ہے۔

ج) ۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء تک چیچنیا میں کس کی حکومت ہوگی؟ اگرچہ معاہدے میں چند ماہ کے دوران انتخابات کرانے کا تذکرہ ہے لیکن یہ انتخابات کون کروائے گا؟ کیا موجودہ نام نہاد روس نواز چیچن حکومت یا مجاہدین پر مشتمل نئی انتظامیہ؟

ان مسائل کے حل کے لئے ۱۰ ستمبر کو چیچنیا کے دارالحکومت گروزنی میں مجاہدین' روس نواز چیچن حکومت اور روسی حکومت کے نمائندوں میں گفتگو ہو رہی ہے۔ روسی قومی کونسل برائے سلامتی کے سربراہ الیگزینڈر لیبڈ کا خیال ہے کہ ایک اتحادی کابینہ تشکیل دی جائے جس میں مجاہدین کے علاوہ روس نواز چیچن حکومت کے نمائندے بھی شامل ہوں۔ تاکہ خانہ جنگی کا اندیشہ نہ رہے۔ اس کے برعکس مجاہدین اپنی کابینہ بنانے کے خواہاں ہیں۔

اس معاہدے کا مستقبل کیا ہے؟۔ اس سلسلے میں روسی وزیر خارجہ پرائمیکوف (Primakof) کا تبصرہ قابل غور ہے۔

> "میرا خیال ہے کہ یہ (معاہدہ) ایک بڑی پیش قدمی ہے تاہم شارع پر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ مستقبل میں صورت حال بغیر کسی حادثے کے بہتر ہو جائے گی"۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی نئی مطبوعات

(۱) پاکستان کی سیاست کا پہلا عوامی و ہنگامی دور

امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۲ء کے سیاسی تجزیوں پر مشتمل ایک مبسوط کتاب (صفحات ۱۶۸ عمدہ طباعت' قیمت -/۲۵ روپے)

(۲) اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت

لزوم بیعت کے موضوع پر امیر تنظیم اسلامی کی ایک نہایت فکر انگیز اور جامع تقریر (صفحات ۳۲' قیمت -/۶ روپے)

تنظیم اسلامی کا پیغام۔ نظام خلافت کا قیام

تنظیم اسلامی کے اکیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر تنظیم کے اجمالی تعارف پر مشتمل ایک تحریر

محبوب الحق عاجز

نئی تنظیم کی ضرورت

۱۹۲۴ء میں ترکی میں خلافت عثمانیہ کے ساتھ ہی تجدیدی و احیائی مساعی کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ چنانچہ بہت سی دینی تحریکیں چلیں' جن کی مخلصانہ کوششوں سے مسلم معاشروں پر گہرے اثرات مرتب ہوئے لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ان جملہ مساعی کے باوجود پورے عالم اسلام میں اسلامی نظام کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ ہم نے مصر میں اسلام کے لئے تحریک چلائی لیکن اس کا نتیجہ اس صورت میں نکلا کہ زمام کار فوج کے ہاتھ چلی گئی۔ ہم نے اسلام کے نام پر تحریک پاکستان چلائی گئی مگر حصول پاکستان کے بعد اقتدار پر مغرب زدہ ٹولہ قابض ہو گیا۔ ہم نے افغان جہاد میں تیرہ لاکھ قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا' روس کے ٹکڑے ہو گئے' مگر تاحال اسلامی نظام کی نوبت نہیں آ سکی۔ کم و بیش یہی حال دیگر اسلامی تحریکوں کا ہے۔

اس کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں وہاں ایک اہم سبب یہ ہے کہ بہت سی توانائیاں انتخابی سیاست کی نذر ہو گئیں' یا پھر انفرادی اصلاح کی کوششوں کو انقلاب کی تمہید قرار دیا گیا۔ کبھی فوجی بغاوت کو اسلامی انقلاب سے تعبیر کیا گیا تو کبھی تشدد اور ہنگامہ آرائی کے راستے سے منزل پر پہنچنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن انقلابی طریقے کو کہیں بھی اختیار نہیں کیا گیا' چنانچہ ایک ایسی تحریک کی ضرورت تھی جو اس انقلابی نہج پر جدوجہد کرے جو مسنون بھی ہے اور تاریخ سے ثابت بھی!

تنظیم اسلامی کا قیام

چنانچہ اس ضرورت کے تحت مروجہ سب طریقوں سے ہٹ کر مارچ ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کے نام سے ایک انقلابی جماعت کے قیام کا اعلان کیا گیا اور ایک قرار داد تاسیس منظور کی گئی جس میں کہا گیا تھا:

"آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممد و معاون ہو....."

تنظیم اسلامی مروجہ مفہوم کے اعتبار سے نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ' بلکہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے۔ تنظیم کے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد ہیں۔

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کا قیام ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کے طور پر عمل میں آیا تھا۔ جس کا مطمح نظر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اجتماعی جدوجہد کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے جو لائحہ عمل اور طریقہ کار اختیار کیا تھا' وہ یہ تھا کہ "قانونی مسلمانوں" میں اسلامی نظریات کے مطابق ایک ہمہ گیر ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی انقلاب برپا کر دیا جائے' ان کا تزکیہ کیا جائے' ان کی تربیت کی جائے۔ اب ان تربیت یافتہ افراد کے ساتھ غلط نظام زندگی کے خلاف جدوجہد کی جائے تاکہ جب یہ انفرادی انقلاب جب معتدبہ تعداد میں افراد کی زندگیوں میں برپا ہو جائے' اور وہ سختیاں جھیل کر اور ماریں کھا کر اپنے خلوص و اخلاص اور اسلام سے وابستگی کا پختہ ثبوت فراہم کر دیں تب اجتماعی و سیاسی انقلاب کی طرف پیش قدمی کی جا سکے۔

لیکن جب قیام پاکستان کے بعد' اس تمام فکر اور لائحہ عمل کو نظرانداز کر کے اور بغیر یہ دیکھے کہ فکری انقلاب اور اخلاقی و عملی تبدیلی آئی ہے' یا نہیں' جماعت انتخابی سیاست کے خارزار میں داخل ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں اسے ۵۱ء کے پنجاب کے انتخابات میں شکست کا سامنا کرنا پڑا' لیکن اس کے بعد بھی جب جماعت اپنے موقف میں تبدیلی لانے پر تیار نہ ہوئی تو اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوا کہ پالیسی اختلاف کی بنیاد پر ۵۷-۱۹۵۶ء میں مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا عبدالغفار حسن' جیسے اکابرین اور ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی مجبوراً جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کوشش کی کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والے افراد کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے اور انقلاب اسلامی کے لئے کسی نئی تحریک کی بنیاد ڈالی جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جماعت سے علیحدہ ہونے والے بزرگوں سے ملاقاتیں کیں' لیکن کوشش کے باوجود اس نئی تنظیم کا قیام ممکن نہ ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر صاحب نے دعوت قرآنی کو عام کرنے کے لئے دارالاشاعت الاسلامیہ کے قیام کی بنیاد ڈالی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے "حلقہ ہائے دروس قرآن" قائم کئے۔ جن کے ذریعے قرآن کی دعوت کے وسیع پیمانے پر ابلاغ کا کام ہوتا رہا۔

جون ۱۹۶۷ء میں جماعت سے علیحدہ ہونے والے اکابرین کا ایک اجتماع رحیم یار خان میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں ایک نئی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا عبدالغفار حسن' مولانا عبدالحق جامعی' شیخ سلطان احمد' سردار محمد اجمل خان لغاری' ڈاکٹر محمد نذیر مسلم اور ڈاکٹر اسرار احمد پر مشتمل سات رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جسے مجوزہ تنظیم کے دستور اور لائحہ عمل کی تدوین کی ذمہ داری سونپی گئی۔ لیکن بدقسمتی سے اس نئی تنظیم کا عملاً منصہ شہود پر آنے سے پہلے ہی شیرازہ بکھر گیا۔ یہ کوشش بھی اکارت گئی تو ڈاکٹر اسرار احمد نے خود ہی ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کے نام سے ایک انقلابی جماعت کے قیام کی داغ بیل ڈالی۔

ہدف اور نصب العین

تنظیم اسلامی کے قیام کا ہدف پہلے پاکستان میں نظام خلافت کا قیام اور اس کے بعد پوری زمین پر اللہ

تعالیٰ کے نظام کو قائم و نافذ کرنا ہے' تاکہ ظلم و بربریت میں گھری ہوئی انسانیت کو عدل و انصاف' محبت و الفت اور احترام آدمیت کے فطری نظام کے تحت خوشحال اور پرسکون زندگی بسر کرنے کی فضا میسر آئے۔ تنظیم میں شامل افراد کا ذہن بالکل واضح ہے کہ ان کا اصل نصب العین اور منتہائے مقصود صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جس کا موثر ترین ذریعہ اللہ کے دین کی نصرت اور دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی ہے۔

تنظیم کی دعوت

تنظیم اسلامی کی دعوت کے دو پہلو ہیں۔ اساسی اور عمومی۔ اساسی دعوت تین نکات پر مشتمل ہے۔ تجدید ایمان' توبہ' تجدید عہد۔

تجدید ایمان : اگرچہ ہم مسلمان ہیں' لیکن ہماری ایک عظیم اکثریت کا حال یہ ہے کہ اسلام اور ایمان محض ایک موروثی عقیدہ کے طور پر انہیں ملا ہے۔ ہمارے قلب و باطن ایمان حقیقی کے نور سے منور نہیں ہیں' لہٰذا تنظیم کی پکار یہ ہے کہ جس خدا کی توحید کا اقرار ہم زبان سے کرتے ہیں' اس کو یقین میں بدل کر دل میں جاگزیں کریں' اپنے ایمان تجدید کریں۔ یعنی ہم قانونی و نظری مسلمان سے عملی مسلمان بنیں۔

توبہ : تنظیم کی ندا توبہ کی پکار ہے۔ ہم سے اب تک دینی فرائض کی ادائیگی میں جو بھی کوتاہی اور نافرمانی ہوئی ہے' اس پر خلوص و اخلاص کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ کے حضور توبہ کریں اور آئندہ کے لئے اللہ کی معصیت سے بچنے کا مصمم ارادہ کریں' تاکہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے۔

تجدید عہد : اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے تمام ارواح انسانیہ سے ایک سوال کیا تھا الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) ہم سب نے یہ جواب دیا تھا "بلیٰ" کیوں نہیں' اے اللہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ تو ہی ہمارا معبود ہے۔ ہم دنیا میں جاکر صرف تیری ہی بندگی کریں گے اور تیرے بنائے ہوئے طریق زندگی کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں گے۔ لیکن آج ہم اس عہد کو فراموش کر چکے ہیں تنظیم کی دعوت نہ صرف اس عہد کو تازہ کرنے کی ہے بلکہ دین حق کے پیروکار ہونے کے ناطے ہم سب نے اللہ سے جو عہد وفاداری استوار کیا ہے اس کی تجدید بھی پیش نظر ہے۔

تنظیم اسلامی کی عمومی دعوت بھی تین نکات پر مشتمل ہے۔ یعنی (۱) خود اللہ کا بندہ بننا۔ (۲) دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا۔ (۳) اللہ کی بندگی کا نظام قائم کرنا۔

تنظیمی ڈھانچہ

تنظیم اسلامی کا ڈھانچہ مرکز' حلقہ جات' مقامی تنظیموں' اسرہ جات' اور منفرد رفقاء پر مشتمل ہے۔

مرکزی نظام : تنظیم اسلامی کے داعی اور امیر ڈاکٹر اسرار احمد ہیں۔ اس کے بعد نائب امیر اور پھر ناظم اعلیٰ کا منصب ہے۔ اس کے علاوہ ایک ناظمہ برائے حلقہ خواتین ہیں۔ تنظیم کا ایک مرکزی بیت المال ہے۔ تربیت اور نشرو اشاعت کے شعبے ہیں۔ ان شعبوں کے سربراہ "ناظم" کہلاتے ہیں۔

اسرہ : جس مقام پر پانچ یا زائد رفقاء موجود ہوں۔ وہاں ایک اسرہ (خاندان) قائم کر دیا جاتا ہے۔ جس کا ایک نقیب ہوتا ہے۔ اگر تعداد پانچ سے کم ہو تو ایسے رفقاء "منفرد رفقاء" کہلاتے ہیں۔

حلقہ جات : توسیع دعوت کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں صوبوں یا ڈویژنوں کی سطح پر حلقہ جات قائم کئے گئے ہیں۔ یہ حلقہ جات مرکزی نظام کی توسیع شمار ہوتے ہیں۔

مقامی تنظیم : جہاں دس یا زائد رفقاء موجود ہوں وہاں مقامی تنظیم قائم کی جاتی ہے۔ جس کا ایک مقامی امیر ہوتا ہے۔

انقلاب کا مسنون طریقہ کار

تنظیم اسلامی انقلاب کے لئے نہ تو انتخابات کے راستے کو موزوں اور نتیجہ خیز سمجھتی ہے اور نہ محض دعوت و تبلیغ کو' نہ تو فوج کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا ہو سکتا ہے نہ پرتشدد کارروائیوں سے' اسلامی انقلاب کا صحیح راستہ وہی ہے جو سیرۃ النبیؐ سے ثابت ہو۔ لہٰذا ایک نظر سیرت النبیؐ پر ڈال لی جائے۔

سیرت النبیؐ اور انقلاب : نبی اکرمؐ کی بعثت کے بعد جب آپؐ کو حکم ہوا ﴿یایھا المدثر○ قم فانذر○ وربک فکبر○﴾ تو آپ نے اس کی تعمیل میں دعوت توحید کا آغاز کیا۔ لوگوں کو بت پرستی چھوڑنے اور ایک خدا کی بندگی کی تعلیم دی۔ یہ دعوت پہلے تین سال صرف اپنوں تک محدود رہی چنانچہ اس کے نتیجے میں حضرت خدیجہؓ' حضرت علیؓ' حضرت زیدؓ' آپ ﷺ کے جگری دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا۔

نبوت کے چوتھے سال علانیہ دعوت کا حکم ہوا (فاصدع بما تومر) تو آپؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا: اے قریش دوڑو۔ لوگ آئے تو آپؐ نے فرمایا: اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر جرار تمہاری گھات میں ہے تو کیا تم یقین کرو گے؟ سب بولے ہاں' کیونکہ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچ بولتے پایا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہو گا۔ لوگوں نے کوئی توجہ نہ دی اور لعن طعن کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔

اس کے بعد آپؐ جگہ جگہ تجارتی قافلوں اور میلوں میں لوگوں کو دین حق کا پیغام پہنچاتے رہے اور جو لوگ ایمان لاتے ان کی تربیت اور تزکیہ فرماتے رہے۔ اور اس طرح مکہ میں "حزب اللہ" کی تشکیل کا عمل شروع ہو گیا۔

تربیت کی بدولت صحابہ کرامؓ ﴿اشداء علی الکفار رحماء بینھم﴾ اور رھبان باللیل و فرسان بالنھار کی صفات کے حامل قرار پائے۔

اس دعوت کے نتیجے میں مخالفت میں شدت آتی گئی۔ چنانچہ پہلے آپ ﷺ کو ساحر و مجنون کہا جاتا تھا' اب تشدد ہونے لگا۔ جس پر آپؐ طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ دعوت حق کو قبول کر لیں' لیکن وہاں پر بھی عبد یالیل اور اس کے بھائیوں کی جانب سے انتہائی ظالمانہ رویہ کا سامنا کرنا پڑا اور واپسی پر شریر منچلوں نے آپؐ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔

اس عرصے میں خاص طور پر غلام صحابہ کو سخت جسمانی ایذائیں پہنچائی گئیں۔ ان کی چھاتیوں پر بھاری پتھر رکھے گئے۔ لوہے کی سلاخوں کو سرخ کر کے ان کے بدن کو داغا گیا۔ حضرت بلالؓ' عمارؓ' صہیبؓ اور یاسر رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی جلیل القدر ہستیوں کو ایسی کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا' مگر وہ تمام مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے جھیلتے رہے' کسی جانب سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ تحریک اسلامی کا قافلہ ابھی صبر محض کی منزل سے گزر رہا تھا۔ یہاں قتال اور مزاحمت کی اجازت نہ تھی بلکہ حکم ربانی تھا "کفوا ایدیکم" اپنے ہاتھوں کو باندھے رکھو۔

تیرہ سالہ خالص دعوتی و تربیتی مکی دور کے بعد ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ مدینہ ہجرت کر گئے۔ یہاں قتال کی اجازت دی گئی (الحج: ۳۹) چنانچہ یہ قافلہ سخت جان صبر محض کے

مرحلے سے نکل کر راست اقدام یعنی چیلنج اور مسلح تصادم کی منزل پر آ پہنچا۔ بدر واحد' خندق و خیبر کے عظیم الشان معرکے پیش آئے اور ۲۷ سراپا ہوئے۔ جن میں آپؐ کے صحابہ کرام نے اپنی جانیں نثار کر کے شجر اسلام کی آبیاری کی۔ اور اس کے بعد سن ۸ ہجری میں فتح مکہ پر اسلامی انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔

انقلاب کے مراحل

سیرت النبیؐ کے اس اجمالی جائزہ سے انقلاب اسلامی کے درج ذیل مراحل سامنے آتے ہیں: دعوت' تنظیم' تزکیہ و تربیت' صبر و مصابرت' چیلنج اور مسلح اقدام۔ تنظیم اسلامی اسی نہج پر کام کر رہی ہے۔

دعوت: کسی بھی انقلاب کے لئے بنیادی چیز انقلابی نظریہ کی اشاعت ہوتی ہے۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کے لائحہ عمل میں اساسی چیز یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے لئے سب سے پہلے لوگوں تک دین کی دعوت پہنچائی جائے' انہیں انقلابی نظریہ لا الہ الا اللہ کے حقیقی معنی و مفہوم اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا جائے۔ اپنے پیش نظر انقلاب کی نوعیت' ضرورت اہمیت اور طریق کار واضح کیا جائے۔ انہیں یہ بتایا جائے کہ اس انقلاب سے ان کی سیاسی سماجی اور معاشی زندگی میں کیا تغیرات رونما ہوں گے۔ اور یہ بات بہت اہم ہے اس لئے کہ انقلاب کا محل و مقام اجتماعی زندگی کا دائرہ ہے۔

تنظیم: جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں انہیں تنظیم کے جماعتی نظم میں پرو دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی انقلابی جدوجہد بغیر تنظیم کے ممکن نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دو باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

ایک یہ کہ تنظیم کے لئے عہدیداروں کا انتخاب کسی اور اعتبار سے سینارٹی کی بجائے صرف انقلابی نظریئے سے وابستگی اور عملی جدوجہد کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کا نظم و ضبط فوج والا ہے۔ چنانچہ جو لوگ بھی تنظیم میں شامل ہوتے ہیں وہ امیر تنظیم اسلامی سے اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ وہ سمع و طاعت فی المعروف کے تحت ان کے ہر حکم کو بلا چون و چرا سنیں گے اور مانیں گے۔

تزکیہ و تربیت: کسی بھی انقلاب کے لئے تیسرا مرحلہ کامریڈ کی نظریہ کے مطابق تربیت ہوتی ہے۔ چنانچہ تنظیم میں اسلامی نظریہ حیات کے مطابق افراد کی سیرت و کردار کی تشکیل' ان میں ایمان و یقین کی آبیاری' ان میں کردار و عمل کی پختگی کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ انہیں اجتماعی و سیاسی انقلاب کے لئے تیار کیا جاتا ہے' ان کا تزکیہ کیا جاتا ہے' انہیں مصائب جھیلنے کا خوگر بنایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

صبر محض: جب بھی حق کی انقلابی دعوت عام ہونے لگتی ہے اور رائج الوقت نظام سے وابستہ ارباب کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آنے لگتا ہے تو انقلابی تنظیم کو مٹانے کے لئے تمام ذرائع و رسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ انقلابی قائد اور کارکنوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں' انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالا جاتا ہے۔ اور یوں حق و باطل کی آویزش شروع ہو جاتی ہے۔ اس مرحلے پر انقلابی کارکنوں کو گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ خندہ پیشانی سے ان مصائب و مشکلات کو جھیلنا چاہئے' انہیں حکم قرآنی اور نبیؐ کی سنت "کفوا ایدیکم" کے مطابق کسی قسم کی مزاحمت کی بجائے ہاتھ روکے رکھنا چاہئے۔ انہیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ بقول اقبال ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

چیلنج اور مطالبہ: جب انقلابی تنظیم کے پاس اتنی افرادی قوت آ جائے گی کہ وہ سمجھے کہ اب اس کے کارکن باطل نظام کو کھلا چیلنج کر سکتے ہیں تو باطل نظام کو للکارا جائے گا کہ ہم فلاں منکر کو نہیں ہونے دیں گے۔ یاد رہے کہ اس مرحلے پر انہی منکرات یا منکر کو چیلنج کیا جائے گا جو تمام مسالک کے نزدیک متفقہ اور مسلم ہیں' مثلاً بے حیائی' سود' مخلوط محفلیں وغیرہ۔ اب اس چیلنج کے دو میں سے ایک ہی نتیجہ نکلے گا' یا تو حکومت وقت منکر کو ختم کر دے گی یا انکار کر دے گی۔

مسلح تصادم: انکار کی صورت میں انقلابی پارٹی مسلح تصادم کے مرحلے میں داخل ہو جائے گی۔ حکومت کے خلاف اقدام کیا جائے گا' لیکن آج کے دور میں تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں مسلح اقدام کی بجائے پرامن اور احتجاجی مظاہروں کا راستہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کے دور میں کوئی مستحکم سیاسی ادارہ موجود نہ تھا' جنگ دو قبیلوں کے درمیان ہوتی تھی' پھر یہ کہ ان دونوں کے پاس اسلحہ بھی تقریباً یکساں نوعیت کا ہوتا تھا' لیکن آج کے دور میں حکومت وقت کے پاس تنخواہ دار افواج ہیں' جو ہر قسم کے جدید اسلحہ سے لیس ہیں۔ اس کے مقابلے میں عوام بالکل نہتے ہیں۔ ان دونوں میں طاقت کے اعتبار سے کوئی نسبت ممکن ہی نہیں' لہٰذا صرف یہاں فرق کیا جائے گا اور مسلح تصادم کی بجائے صرف احتجاجی مظاہروں' پکٹنگ اور دھرنوں کے ذریعے مطالبات منوائے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں حکومت سے یہ کہا جائے گا کہ ہمارے مطالبات تسلیم کر لو ورنہ ہم گولیاں کھائیں گے' جانیں دیں گے لیکن اپنے مطالبات سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ اگر اس موقع پر استقامت کا مظاہرہ کیا گیا تو حکومت بالآخر گھٹنے ٹیک دے گی۔ کیونکہ اس دور میں سیاسی ارتقاء کی بدولت یہ ممکن نہیں ہے کہ مطالبات لے کر اٹھنے والوں کو لاکھوں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے' جس کی ایک مثال ایران کا حالیہ انقلاب ہے۔ مسلح اقدام کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ نے اسے فاسق و فاجر مسلم حکمران کے خلاف بھی جائز قرار دیا ہے۔ البتہ اس کی انہوں نے یہ کڑی شرائط رکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انقلابی جماعت کا پاس اتنی طاقت آ جائے کہ بظاہر محسوس ہو کہ کامیابی یقینی ہے۔

انقلاب کے جس طریقہ کار کو تنظیم نے اختیار کر رکھا ہے یہ اولاً تو سیرت النبیؐ سے ماخوذ ہے۔ ثانیاً انقلاب عالم کی ماضی قریب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے بھی یہی طریقہ طریقہ سامنے آتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ محض نظریہ کی اشاعت سے یا انتخابی عمل سے اجتماعی نظام میں تبدیلی آ گئی ہو' بلکہ اس کے لئے جانوں کے نذرانے دیئے گئے ہیں' قربانیاں دی گئی ہیں۔ روس کا اشتراکی انقلاب' چین کا اشتمالی انقلاب اور فرانس کا جمہوری انقلاب انہی مراحل سے گزر کر برپا ہوئے ہیں۔

تنظیم میں شمولیت

تنظیم اسلامی میں دنیا کے کسی بھی خطے کا مسلمان شامل ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ تنظیم کے اساسی نظریات اور تصورات سے فی الجملہ متفق ہو اور امیر تنظیم سے بیعت مسنونہ کے رشتے میں منسلک ہو جائے۔ یعنی معروف شریعت کے دائرہ میں ان کے تمام احکام کو سننے اور ماننے کا عہد کر لے۔ تنظیم میں شامل مرد حضرات "رفیق" اور خواتین "رفیقہ" کہلاتی ہیں۔

تنظیم میں درجہ بندی

تنظیم میں رفقاء کو دو درجوں میں تقسیم کیا گیا

ہے اولاً "مبتدی" رفیق کہلاتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ چھ ماہ کے اندر اندر معین تربیتی نصاب مکمل کر لیتا ہے اور مرکز کے تحت کسی منعقدہ ہفت روزہ تربیت گاہ میں شرکت کر لیتا ہے اور مرکز کی جانب سے استثنا تک ہفتہ وار احتسابی رپورٹ مقامی نظم اور مرکز کو ارسال کرتا رہتا ہے تو اس کے بعد اسے "ملتزم" رفیق کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔

نظم کی بنیاد بیعت

تنظیم اسلامی میں امیر اور مامور کا رشتہ سمع و طاعۃ فی المعروف کی "بیعت" پر استوار ہے۔ یعنی وہ پہلے امیر تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرتا ہے کہ دین کی سربلندی کے لئے جس کام کا بھی حکم دیں گے وہ اسے سنے گا اور بلا حیل و حجت مانے گا۔ البتہ کوئی حکم معروف کے دائرے سے باہر ہو اس کی پیروی لازمی نہیں۔

موجودہ دور میں اکثر تحریکیں بیعت کی اساس پر استوار نہیں ہیں' حالانکہ شریعت اسلامی اور تاریخ کے مطالعے سے جماعتی نظم کے لئے صرف بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔

گزشتہ صدی میں مسلمانوں کو غیر ملکی استعمار سے نجات دلانے کے لئے جتنی بھی عسکری تحریکیں چلیں ان سب کی بنیاد بیعت پر تھی۔ چنانچہ ہندوستان سید احمد بریلوی کی تحریک شہیدین' لیبیا میں محمد بن علی السنوسی تحریک' سوڈان میں محمد احمد اللمہدی کی تحریک سب کے نظم کی بنیاد بیعت تھی۔ موجودہ صدی میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۳ء میں اپنی جماعت حزب اللہ قائم کی تو بیعت ہی کو اساس کے طور پر اختیار کیا۔ مصر میں اخوان المسلمون کے بانی ارکان نے شیخ حسن البناء کے ہاتھ پر بیعت کی۔

خاتمہ کلام

تنظیم اسلامی کا یہ کارواں گزشتہ بیس برسوں سے اسلامی انقلاب کے لئے مصروف کار ہے ہمارا یہ سفر اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اللہ کی زمین پر اللہ کی بادشاہی قائم نہیں ہو جاتی۔ جو بھی اس پروگرام سے اتفاق کرے' ہماری دعوت اسے پسند آئے' اسے آگے آنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ انقلاب اسلامی کے لئے جدوجہد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ باطل طاغوتی اور استحصالی قوتوں کے خلاف انقلابی جدوجہد میں شرکت وقت کی پکار ہے۔ اسی سے ملت اسلامیہ کی امیدیں وابستہ ہیں۔

قلم برداشتہ — نعیم اختر عدنان

نشہ آور چیزوں میں مہلک ترین اقتدار کا نشہ ہے !

ملکی قوانین کا نفاذ جب بالادست طبقات پر کیا جائے تو ان کا "استحقاق" مجروح ہوتا ہے !

بھلا ہو قومی پریس کا کہ جس کے ذریعے عوام کالانعام سے تعلق رکھنے والے طبقے کو بھی بعض اہم اور اچھی خبریں فراہم ہو جاتی ہیں۔ ایسی خبروں کا تعلق عموماً صاحبان اقتدار کے "استحقاق" سے ہوتا ہے۔ مذاہب و اخلاق کی دنیا میں نشہ ایک ناپسندیدہ فعل تصور کیا جاتا ہے چنانچہ ملکوں اور قوموں بلکہ بین الاقوامی سطح پر انسداد منشیات کے نام سے بہت سے ادارے قائم ہیں۔ انہی نشہ آور چیزوں میں سے سب سے مہلک اور مضر انسانیت بلکہ دشمن انسانیت اقتدار کا نشہ ہے۔ تیسری دنیا کی پسماندہ اور جاہل اقوام دیگر جہالتوں کے ساتھ حکمران طبقہ کی "جہالت" کے موذی مرض کا شکار ہیں۔ تیسری دنیا کی اقوام کا حکمران طبقہ کافی نازک مزاج واقع ہوا ہے جن میں وطن عزیز کے "حاکم طبقات" شاید سب سے نرالے اور انوکھے مزاج کے حامل ہیں۔ قانون ساز اسمبلیوں کے ممبران اور بیوروکریسی کے عزت مآب ارکان نے جو ضابطے اور قوانین شہریوں کے لئے مقرر کر رکھے ہیں' وہ اپنے آپ کو ان ضوابط اور قوانین سے بالا ہی نہیں بلکہ "بالاتر" سمجھتے ہیں جس کی ایک مثال چند روز پہلے لاہور میں صوبائی اسمبلی کے نابالغ بیٹے کی پولیس چیکنگ کے بعد صوبائی اسمبلی کی طرف سے ایس پی لاہور کی بدری کے احکامات کی صورت میں سب کے سامنے آئی۔ اسی طرح کی ایک مثال پولیس کے ہاتھوں مرتضیٰ بھٹو کے افسوسناک قتل کے بعد محترمہ بے نظیر بھٹو کے اس بیان کی صورت میں سامنے آئی کہ کیا ظالموں کو میرا ہی بھائی ملا تھا قتل کرنے کے لئے۔ گویا یہ کام دوسرے لوگوں کے بھائیوں کے ساتھ بھلا ہوا کرے میرے بھائی کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ محترمہ کی دل آزاری ہرگز ہمارا مقصود نہیں ہے تاہم کیا ان کے اس جملے کا یہی مفہوم نہیں سمجھا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ انتظامی اداروں کے ذمہ دار جب ملکی قوانین کا نفاذ عزت مآب حکمران طبقہ کے افراد پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو بالادست طبقات پر مشتمل طبقے کا استحقاق مجروح ہو جاتا ہے۔ یہ استحقاق بھی عجیب شے ہے۔ عوام کی عظیم اکثریت کو کسی قسم کے استحقاق کا سرے سے کوئی حق ہی حاصل نہیں۔ باربرداری کے جانوروں جیسی' کمر توڑ دینے والی محنت و مشقت کے بعد بھی عوام بنیادی انسانی ضروریات کے حق سے محروم چلے آ رہے ہیں چنانچہ عوام کی قسمت میں محرومی اور مجبوری کا "استحقاق" لکھا جا چکا ہے لہٰذا ایسے استحقاق کے مجروح ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ تو ہم ذکر کر رہے تھے ملک و قوم کی قسمت کے مالکوں بلکہ ان کی بدقسمتی کے ذمہ داروں کے "استحقاق" کے مجروح ہونے کا۔ اب ظاہر ہے کہ ملک کے اقتدار اور وسائل پر قابض طبقے کی "عزت" اور "نفس" کا معاملہ کافی اہمیت اختیار کر جاتا ہے لہٰذا حکمران طبقات کی "عزت" کا تحفظ اور ان کی عزت نفس کو مجروح ہونے سے بچانے کے لئے ہی تو ریاست و حکومت کے تمام ادارے متحرک اور فعال ہوتے ہیں اب اس "عزت والے نفس" کو قرآن کی زبان میں نہ تو نفس مطمئنہ کہا جا سکتا ہے کہ جسے جنت میں داخلے کے بعد آزادی ہو گی کہ وہ جہاں چاہے اور جیسے چاہئے عیش کرے اور نہ ہی اسے نفس لوامہ کے لقب سے یاد کیا جا سکتا ہے جو انسان کا داخلی محتسب ہوتا ہے۔ اب لے دے کے نفس امارہ ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ نفس امارہ کے حاملین اور وارثین کے استحقاق کا لحاظ بھی نہ رکھا جائے تو ان کی عزت نفس مجروح ہو جانے کا شدید اندیشہ بلکہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وہ نازک مگر اہم مقام ہوتا ہے جہاں عزت نفس کا استحقاق جھوٹے پندار بلکہ جاہلانہ حمیت و نخوت کے مقام تک جا پہنچتا ہے قرآن اسی کو "حمیت جاہلیہ" سے تعبیر کرتا ہے مگر یار لوگوں نے بھی شریعت الٰہی کے مقابلے میں انسانی حاکمیت کا نظام اختیار کر رکھا ہے جس میں خودساختہ عزت نفس اور جھوٹے پندار کے حامل لوگوں کو "استحقاق" کے لئے وی آئی پی کا لقب دیا جاتا ہے جسے انگریزی صحافت میں "Sacred Cow" جیسا مہذب لقب دیا جاتا ہے۔ وی آئی پی کی بیماری ہمیں ہی لاحق نہیں' سنا ہے بعض مغربی ممالک میں بعض حیوانات یہاں تک کہ کتوں کو بھی وی آئی پی کا درجہ حاصل ہوتا ہے !!!۔

افغانستان ایک قوی دیو ہے جو کسی کے قابو میں نہیں!

افغان جہاد نے دنیا بھر کے پرجوش مسلمانوں کو یکجا کر دیا ہے

مسلمان جہادی کسی بھی ملک میں گھس کر کارروائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں

سردار اعوان

ایک خستہ مکان میں سر چھپائے نوجوان مجاہدین کا ایک گروہ بڑے احترام سے بزرگ کمانڈر کی باتیں سن رہا تھا' مولوی عبدالصمد ڈیڑھ دہائی سے زائد عرصے میں حاصل ہونے والے تجربات بتا رہے تھے ---- "کیا کوئی شخص یقین کر سکتا تھا کہ ایک ایسا ملک جس کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں' ایک عظیم طاقت' سویت یونین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیں باہر سے ڈالر اور سٹنگر میزائل ملے تھے مگر انہیں کس نے نتیجہ خیز بنایا؟ صرف ایک اللہ نے! سویت یونین جو کبھی ایک عظیم طاقت تھا اب کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ عظمت اب افغان قوم اور اس سرزمین کو حاصل ہے"۔

یہ عظمت ہے یا دادا گیری۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ افغانستان ایک ایسا خوفناک دیو بن کر آ کھڑا ہوا ہے جو اپنے آقا کے بھی قابو میں نہیں۔ افغانستان میں ایک لاکھ دس ہزار کی تعداد میں موجود روسی فوج کے آخری سپاہی کو گئے سات برس ہو چکے ہیں اور کابل میں روس کی پٹھو نجیب حکومت چار سال ہوئے اقتدار سے الگ ہو گئی ہے لیکن لوگ اب تک جنگ کے نتائج بھگت رہے ہیں۔

ایشیاء کے اس دور دراز' خشکی سے گھرے' جنگ زدہ ملک سے اسلحہ اور جنگجو کشمیر اور بلقان تک مار کر رہے ہیں۔ پوری اسلامی دنیا سے افغانستان میں آ کر جنگ میں حصہ لینے یا تربیت حاصل کرنے والے ہزاروں نوجوانوں نے طوفان کی طرح ایشیاء افریقہ اور شمالی امریکہ کو دہشت گردی کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

"دی ٹائمز" نے چار براعظموں پر محیط ایک تحقیقات کا اہتمام کیا ہے جس میں ان افراد کو خاص طور سے مدنظر رکھا گیا ہے جن کی زندگیوں میں افغان جہاد کے تجربات نے انقلاب برپا کیا ہے۔ اس تحقیقات کی رو سے ․راکو سے منیلا اور مین ہٹن تک حکومتوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو افغان جہاد کے نتیجے میں جن غیر متوقع مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ یہ ہیں :

- دہشت گردی' باغیانہ سرگرمیاں
- مسلمان انتہا پسندوں نے پہلی مرتبہ ایسا نیٹ ورک قائم کر لیا ہے جس سے کسی بھی ملک کے اندر گھس کر کارروائی کی جا سکتی ہے۔
- اسلامی انتہا پسندوں کے اندر جوش و جذبے میں اضافہ

افغان جہاد نے اسلامی شدت پسندوں اور دہشت گردوں کی ایک نئی نسل کو جنم دیا ہے جس میں جہاد ایک قدر مشترک ہے چنانچہ افغانستان کے بعد اب اس کا رخ الجزائر' بوسنیا ہرزیگووینا اور فرانس جیسے ممالک کی طرف ہو گیا ہے' مصری حکومت کے اطلاعات کے ڈائریکٹر نبیل عثمان کا کہنا تھا کہ ہم نے ایک بہت بڑا دیو بنا لیا ہے جو اب کسی کے قابو میں نہیں رہا۔ یاد رہے کہ افغان جہاد میں مصر سب سے زیادہ عرب مجاہد فراہم کرنے والا ملک تھا۔

اس مفلس ترین ملک کو سرد جنگ جیتنے کا ذریعہ بنایا گیا۔ کریملن نے فوج اور ٹینک لا کر ڈال دیئے اور امریکہ نے اس کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو مسلح کرنے اور تربیت فراہم کرنے پر اربوں ڈالر خرچ کئے' مگر اب یہ ملک ان دونوں کے گلے پڑ گیا ہے۔

۲۵ / جون کو دہشت گردوں نے ایک بہت بڑا بم ٹرک دہران' سعودی عرب کے کنگ عبدالعزیز ائیر بیس پر ایک آٹھ منزلہ عمارت تباہ کرنے کے لئے استعمال کیا جس میں ۱۹/ امریکی ائیر مین ہلاک اور ۲۵۰ سے زائد زخمی ہوئے۔ اسی وقت محسوس ہو گیا تھا کہ یہ افغانستان میں تربیت یافتہ اسلامی بنیاد پرستوں کی کارستانی ہے۔

امریکی سنٹرل کمانڈ کے سربراہ جنرل جے۔ ایچ بنفورڈ پی نے گزشتہ ماہ سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کو جو دہران بم دھماکے کی سماعت کر رہی ہے' بیان دیتے ہوئے تسلیم کیا کہ حال ہی میں جنونی مسلم انتہا پرست گروہوں کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گروہ اب افغانستان سے باہر دوسرے ممالک کو نشانہ بنا رہے ہیں جہاں وہ روایتی حکمرانوں کو کمزور کر کے اور امریکی اور مغربی ٹھکانوں پر حملوں سے مغرب مخالف بنیاد پرست حکومتیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۳/ نومبر کو سعودی دارالخلافہ ریاض میں بارود سے بھرے ایک سفید پک اپ ٹرک کے ایک تین منزلہ عمارت کے باہر پھٹنے سے تین امریکی ہلاک ہو گئے تھے۔ دہشت گردوں کا نشانہ ایک امریکی پروگرام تھا جس کا مقصد سعودی نیشنل گارڈز کو تربیت فراہم کرنا ہے۔ اس حملے کے الزام میں جن چار سعودی جنگجوؤں کو گرفتار کیا گیا ان میں سے تین نے افغانستان میں تربیت حاصل کرنے کا اعتراف کر لیا تھا۔ ۲۴ سالہ عبدالعزیز فہد نے ٹیلی ویژن پر بتایا کہ ان کا اس قسم کے مزید بم دھماکے کرنے کا پروگرام تھا' چنانچہ ۳۱/ مئی کو ان کے سر قلم کر دیئے گئے۔ جس پر ان کے ساتھیوں نے اس کا انتقام لینے کے عہد کا اظہار کیا۔

امریکہ میں افغان جہاد کے اثرات اس سے بھی پہلے پہنچ گئے تھے۔ ۲۶/ فروری ۱۹۹۳ء کو بارود سے لدی ایک دین مین ہٹن کے ۱۱۰ منزلہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے پارکنگ گیراج میں لا کر کھڑی کی گئی تھی جس کے پھٹنے سے ۶ افراد ہلاک اور ۱۰۰۰ زخمی ہوئے تھے نصف ارب ڈالر کا نقصان الگ تھا۔ امریکہ کے مالیاتی سسٹم کے عین قلب پر اس وار کا سرغنہ بروکلین کا ایک مصری ٹیکسی ڈرائیور تھا جس نے افغانستان میں روسیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ٹیکسی

ڈرائیور محمود ابو حلیما وفاقی جیل میں ۲۴۰ سال قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔ اس دھماکے کا منصوبہ مبینہ طور پر ایک کویتی' رمزی احمد یوسف نے بنایا تھا جس کا افغان جہاد سے گہرا تعلق رہا ہے۔

روسیوں کو بھی اس جنگ کے' جس میں اس کے ۱۴۵۰۰ سپاہی کام آئے اور اقتصادی تباہی سے دوچار ہونا پڑا تھا' مزید تباہ کن نتائج کا سامنا ہے۔ چیچنیا کی آزادی کے علمبردار زوخرادیوف نے روسی فوجوں کے ہاتھوں ہلاکت سے ایک ماہ قبل مارچ میں پہلی مرتبہ اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اس نے اپنے ہاں سے نوجوانوں کو تربیت حاصل کرنے کے لئے افغانستان بھیجا تھا۔ چیچنیا کے ذرائع کا کہنا ہے کہ دادیوف نے جنگ سے قبل ہی روس کے عزائم کو بھانپ لیا تھا اور کئی نوجوانوں کو افغانستان میں حکمت یار کے کیمپوں میں تربیت کے لئے بھجوا دیا تھا۔ سوویت رشیا کے خاتمے کے بعد چیچنیا کی لڑائی روس کے لئے شدید ترین بحران ثابت ہوئی ہے جس میں اب تک ۳۰ ہزار سے زائد جانیں جا چکی ہیں جبکہ لڑائی ابھی جاری ہے۔

روس اور مقامی مارکسٹوں اور ملحدوں کے خلاف افغان جہاد کے خاتمے سے ان غیر ملکی نوجوانوں کی مسلح تربیت کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ روسی اہلکاروں کا اندازہ ہے کہ صرف تاجکستان سے ۴' ۵ ہزار جنگجو شمالی افغانستان میں تربیتی مراحل سے گزر کر واپس اس سابق وسط ایشیائی روسی جمہوریہ میں ۱۹۹۳ء سے قائم کمیونسٹ نواز حکومت کے خلاف لڑنے کے لئے داخل ہو چکے ہیں' معتبر روسی ذرائع کا کہنا ہے کہ اگرچہ پہلے سے کم سطح پر لیکن پکتیا' زبول' ننگرہار' تاخر اور بدخشاں کے صوبوں میں ابھی تربیتی کیمپ جاری ہیں۔ ایک آزمودہ روسی سفارت کار جو افغانستان میں جاری موجودہ لاقانونیت اور بدنظمی کا ذمہ دار پرانی حریف سپرپاورز کو قرار دیتے ہیں' کہتے ہیں "ہم ان کے مقابلے کے لئے اپنے دیو تیار کر رہے ہیں اس کے بعد ان سے دو ہاتھ کریں گے"۔

۱۵/ فروری ۱۹۸۹ء کو جس روز روسی لیفٹیننٹ جنرل بورس وی گرومو نے آخری روسی سپاہی کے طور پر افغانستان کی شمالی سرحد سے دریائے آمو کا پل پار کیا تھا' لانگلے' ورجینیا کے سی۔ آئی۔ اے کے ہیڈ کوارٹرز میں فتح کی خوشی میں جام صحت کا تبادلہ ہو رہا تھا گویا سرد جنگ میں ایک عظیم فتح حاصل ہو گئی ہے اور ویت نام میں کمیونسٹوں کے ہاتھوں شرمناک شکست کا بدلہ چکا دیا گیا ہے مگر ماضی کے واقعات پر نگاہ دوڑائیں تو صاف نظر آتا ہے کہ افغانستان میں جنگ اور بعد میں اس سے پیدا ہونے والے اثرات نے ۲۰ ویں صدی کے اواخر میں جنم لینے والے انتہائی اہم سماجی اور سیاسی رجحان' اسلامی انقلاب پرستی کو بڑھاوا دینے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہ جہاد پوری دنیا کے ہوشیلے مسلمانوں کے لئے نکتہ ارتکاز ثابت ہوا ہے جس سے ان کے درمیان تعاون اور مدد کی بنیاد پڑی ہے۔ سی۔ آئی۔ اے نے اس کھیلے میں افغان مجاہدین کو لگ بھگ نصف ارب ڈالر سالانہ کے حساب سے خفیہ امداد دی تھی۔ مگر جو کچھ حاصل ہوا ہے اسے "جوابی مکا" blow back کا نام دیا جا رہا ہے۔

پاکستان میں مقیم ایک امریکی سفارت کار نے اسے "لوٹ کے بدھو گھر کو آیا" سے تعبیر کیا۔ ان کا کہنا تھا "آپ نے اربوں ڈالر کمیونسٹوں کے خلاف جہاد میں لٹا دیئے اور ساری دنیا سے لا کر لوگوں کو اس میں شامل کر لیا۔ اس کا نتیجہ تو برآمد ہونا تھا۔ ہمارے پیش نظر افغانستان میں امن قائم کرنا اور اس کے حالات کو بہتر بنانا تو تھا ہی نہیں' صرف کمیونسٹوں کو مارنا اور یہاں سے روس کو باہر نکالنا تھا۔"

انقلابی اسلام کے ابھرنے میں کئی مراحل آئے ہیں۔ جن میں ۱۹۷۹ء میں آیت اللہ روح اللہ خمینی کا ایرانی انقلاب' فلسطین میں انتفادہ یا اسرائیل کے خلاف ہنگامہ آرائی اور الجزائر اور مصر جیسے ممالک میں جابرانہ حکومتوں کے خلاف بغاوت اور دہشت گردی کی سرگرمیاں شامل ہیں' لیکن اکثر ماہرین کی رائے ہے کہ افغان جہاد نے جس قدر دنیا میں ہل چل مچائی ہے دوسرا کوئی واقعہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

امریکی تخمینوں کے مطابق روسیوں اور ان کے اتحادیوں کے خلاف تصادم میں کم سے کم ۱۰ ہزار مسلمانوں نے باہر سے آ کر کسی نہ کسی درجے میں حصہ لیا جس کے بعد یہ لوگ دوسرے ممالک میں خوف اور دہشت کے بیج بوتے چلے گئے اور یوں افغان جہاد اسلام کے اس سخت گیر موقف کو زبردست تقویت فراہم کرنے کا موجب ثابت ہوا جس کی تبلیغ پاکستان کے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مصر کے سید قطب اور عبدالسلام فراج جیسے کٹر علماء نے کی تھی۔ اسلام کے اس موقف کے علمبردار آج مغرب کی آلہ کار مسلمان استبدادی حکومتوں کے خلاف زور شور سے جہاد کی تبلیغ کرنے میں مصروف ہیں۔

ہندوستان کے خفیہ محکمہ کے سابق ڈائریکٹر' ایم کے نارائین کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی دہشت گردی کی تحریک ۱۹۸۰ء کی دہائی میں افغانستان جنگ کی غیر قانونی پیداوار ہے" اسی طرح سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے انسداد دہشت گردی کے رابطہ دفتر نے اپنی ایک حالیہ رپورٹ میں افغان جہاد کو امریکی مفادات اور اس کی دوست حکومتوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا ہے۔

سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ایجنسی نے اپنی سالانہ رپورٹ میں کہا ہے کہ عالمی پیمانے پر جدید ہتھیاروں اور اسلحہ سے واقفیت' جدید ترین ذرائع ابلاغ اور رسل و رسائل کی فراوانی نے اس نئی آفت کا پتہ چلانا اور اسے گرفت میں لینا ان کارروائیوں کی نسبت کہیں زیادہ دشوار بنا دیا ہے جو پرانی طرز کے منظم گروہوں کی طرف سے یا بعض حکومتوں کی سرپرستی میں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ افغانستان میں قائم کیمپوں سے تربیت یافتہ یا افغان جہاد سے فارغ ہونے والے گروہ جو اس وقت دہشت گردی کی کارروائیوں میں مصروف ہیں' کسی ایک ملک کی بجائے بین الاقوامی شکل اختیار کر گئے ہیں۔

مسٹر پی (peay) نے جو مشرق وسطیٰ میں امریکی فوج کی کارروائیوں کے ذمہ دار ہیں سینٹ کی کمیٹی کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ ان نئے دہشت گردوں کا پتہ چلا کر بے اثر بنانا اس لئے دشوار ہے کہ ان کے پاس سرحدیں پار کر کے کارروائی کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چھوٹے چھوٹے خانوں میں قائم یہ گروہ کسی حکومتی سرپرستی کے محتاج نہیں ہیں اس لئے ان پر نگاہ رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔

اگر ایف۔ بی۔ آئی اور امریکہ کے سرکاری وکلاء کے الزامات درست ہیں تو گذشتہ سال اسلام آباد' پاکستان سے گرفتار کر کے امریکہ لایا جانے والا مبینہ دہشت گرد افغان جنگ سے برآمد ہونے والی سب سے خطرناک شے ہے۔ ۲۸ سالہ یوسف کے خلاف ایک ہی وقت میں بحرالکاہل پر ڈیلٹا' نارتھ ویسٹ اور یونائیٹڈ ایئر لائنیز کے درجن بھر جمبو جیٹ بم سے اڑانے کا منصوبہ بنانے کے الزام میں مین ہٹن کی فیڈرل کورٹ میں مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ اس سال کے اواخر میں اس پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر بم دھماکے کا الگ مقدمہ چلایا جانے والا ہے۔ فلپائن میں ۱۹۹۵ء میں مسلمان ملیشیا کے ہاتھوں پوپ پال دوم کو قتل کرانے کا منصوبہ بنانے کا بھی الزام ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں ۱۹۹۳ء موجودہ وزیر اعظم بینظیر بھٹو پر بم حملہ کیا جو ناکام رہا اور بم یوسف کے منہ پر پھٹ گیا۔

اس خود ساختہ بم دھماکوں کے ماہر کی جڑیں

پاکستان کے غیر آباد بلوچستان میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ اس سے منسوب کارروائیاں سردست متنازعہ ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یوسف کا تعلق افغان جہاد سے رہا ہے۔ یوسف کی تفتیش کرنے والے ایک پاکستانی اہلکار کا کہنا ہے کہ غالباً وہ ۸۶-۱۹۸۵ کے دوران پشاور میں مقیم رہا اور سب سے زیادہ مغرب مخالف مجاہد کمانڈر عبدالرب رسول سیاف کی زیر نگرانی تربیت حاصل کی اور افغان جنگ میں شریک رہا۔ لیکن امریکی تفتیشی اہل کار کہتے ہیں کہ وہ بعد میں افغانستان آیا اور اس عرصے میں تربیت حاصل کی جب کہ روسی یہاں سے جا چکے تھے اور کابل کی کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ ہونے والا تھا۔

ان تمام ممالک میں جن میں یوسف دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث پایا جاتا ہے اسے مقامی مسلمان ملیشیاؤں کی مدد اور تعاون حاصل رہا ہے۔ قانون کے نفاذ کے ذمہ دار ایک فرانسیسی افسر کا کہنا ہے کہ "ان لوگوں کو باہم مربوط کرنے میں افغان جہاد کا اہم کردار ہے" اس بات کی تصدیق ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ دو سال قبل اگست کی ایک گرم اور چمکیلی صبح مشین گنوں سے مسلح دو حملہ آور جنہوں نے اپنے سروں کو مضبوطی سے ڈھانپ رکھا تھا' مراکو' مراکش کے ہوٹل اٹلس اسنی کی لابی میں گھس آئے' ان کا تیسرا ساتھی گیٹ پر بطور نگراں کھڑا رہا۔ انہوں نے کیشیر سے ۱۳۰۰ ڈالر رقم چھینی اور جاتے ہوئے خوف زدہ سیاحوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی جس سے دو ہسپانوی سیاح ہلاک ہو گئے۔

بعد میں تفتیش سے معلوم ہوا کہ حملہ آور فرانس میں اقلیتی بستیوں میں رہنے والے مسلمان تھے جن کا اصل تعلق شمالی افریقہ سے تھا اور انہوں نے افغانستان میں اسلحہ کی تربیت حاصل کی تھی۔ حملے کا مقصد مراکو کی معیشت کے لئے بنیادی اہمیت کے سیاحت کے کاروبار میں رخنہ اندازی تھا۔ حملے کے لئے رقم لندن کے راستے فراہم کی گئی تھی جبکہ رابطہ کا مرکز پشاور میں تھا۔ فرانسیسی اہل کار کا کہنا تھا کہ "اس سے قبل پاکستانی' مصری' الجزائری وغیرہ الگ الگ قومیتوں کے خانوں میں بند تھے اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی میل جول نہ تھا لیکن اب یہ لوگ ایک ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔"

مصر کے لئے جو مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا سب سے اہم اتحادی ہے افغان جہاد کے اثرات سخت خوف اور رنج کا باعث بنے ہیں۔ ۱۹۹۲ء سے عرب دنیا کا یہ انتہائی گنجان آباد ملک حکومت مخالف سرگرمیوں کے لحاظ سے چوٹی پر ہے۔ جن میں افغانستان اور پاکستان سے اسلحہ کی تربیت پاکر آنے والے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

مصر کے بیشتر اسلامی راہنماؤں نے پشاور جو جلاوطنوں کا بنیادی ہیڈ کوارٹر تھا اور پاک افغان سرحد کے ساتھ پھیلی ہوئی قبائلی پٹی کو اپنے اڈے اور پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا۔ خیال ہے کہ مصر کے صدر حسنی مبارک پر پچھلے سال عدیس ابابا' ایتھوپیا میں جو قاتلانہ حملہ ہوا تھا اس میں افغان جہادیوں کا ہاتھ تھا۔

مصر کے وزیر داخلہ' حسن الفی کا کہنا تھا کہ "افغانستان میں عربوں نے نیک مقصد کے تحت

افغان جہاد -- منظر و پس منظر

۱۹۷۳ء	محمد داؤد نے ایک فوجی بغاوت کے ذریعے محمد ظاہر شاہ کا تختہ الٹ کر صدارت کا عہدہ سنبھال لیا۔
۱۹۷۸ء	بائیں بازو کا انقلاب' داؤد کی برطرفی اور ہلاکت' نور محمد ترکی کی سربراہی میں روس نواز مارکسٹ حکومت کا قیام۔
۱۹۷۹ء	ترکی وزیراعظم کا عہدہ اپنے سخت گیر نائب حفیظ اللہ امین کے حوالے کرنے کے بعد پراسرار طور پر ہلاک ہو گئے ہے۔ حفیظ اللہ امین کی سخت اور غیر مقبول کمیونسٹ پالیسیوں کے خلاف مسلح اسلامی شورش اور لیونڈ برزنیوف کے دور حکومت میں وسیع روسی فوجی مداخلت۔ امین ہلاک کر دیا گیا اور اس کی جگہ روسی بابرک کارمل کو مشرقی یورپ میں جلا وطنی سے لے کر آئے۔
۱۹۸۰ء	روسی مداخلت کے چند روز کے اندر اقوام متحدہ کی طرف سے بیرونی افواج کو واپس بلانے کا مطالبہ کیا گیا۔ امریکی صدر جمی کارٹر نے سویت یونین کے خلاف پابندیاں عائد کر دیں جن میں غلے کی فروخت بند کرنے کی کارروائی شامل تھی۔ امریکہ کی طرف سے ماسکو میں ہونے والے سمر اولمپک گیمز کا بائیکاٹ۔ افغانستان کے بیشتر حصے میں مجاہدین اور روس کی پٹھو سرکاری فوج کے درمیان خانہ جنگی ۱۹۸۹ء تک جاری رہی۔
۱۹۸۱ء	نئے صدر رونلڈ ریگن نے غلے کی فروخت پر عائد پابندی اٹھالی۔
۱۹۸۲ء	افغان مزاحمت نے پڑوسی ملک پاکستان کو اپنا مرکز بنالیا اور ۲۵ لاکھ افغان یہاں آکر پناہ گزیں ہو گئے۔
۱۹۸۴ء	روس کا لاس انجلس میں ہونے والے سمر اولمپکس کا بائیکاٹ۔
۱۹۸۵ء	متحارب افغان مزاحمتی عناصر کی ایک سات جماعتی اشتراک پر رضامندی۔ حکومت کی طرف سے روسی فوجوں کے انخلاء کا مجوزہ ٹائم ٹیبل۔
۱۹۸۶ء	کارمل کی جگہ خفیہ پولیس کے سابق ڈائریکٹر نجیب اللہ کو صدر مقرر کیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق مزاحمتی تحریک کو پہلی مرتبہ ہوائی جہازوں کو مار گرانے والے امریکی سٹنگر مزائل دیئے گئے۔
۱۹۸۷ء	باغیوں کا اقتدار میں شرکت سے انکار۔ نجیب اللہ کا اعلان کہ روسی فوج ایک سال کے اندر واپس چلی جائے گی۔
۱۹۸۹ء	روسی فوجوں کی مکمل واپسی۔ حکومت اور مزاحمتی قوت کے درمیان لڑائی میں شدت۔
۱۹۹۱ء	مجاہدین اور روس کے درمیان بات چیت کے نتیجے میں روس کی نجیب اللہ کی بجائے عبوری اسلامی حکومت کی حمایت۔
۱۹۹۲ء	مجاہدین کا کابل کا محاصرہ اور نجیب اللہ کی اقتدار سے علیحدگی۔ افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام۔

شمولیت کی تھی تاکہ روس کی پشت پناہی میں کیمونزم کی یلغار کو روک کر اسلام کا دفاع کیا جائے مگر بدقسمتی سے یہ نوجوان کسی اور کے ہتھے چڑھ گئے جس نے ان کی سوچ بدل دی' ان کے مقاصد تبدیل ہو گئے اور انہوں نے تشدد کا راستہ اپنا لیا۔ یہ لوگ دوسروں پر زبردستی اسلام ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب واپس وطن آئے تو دہشت گردی کی آگ بھڑکانی شروع کر دی" الفی خود بھی ان کا نشانہ بن چکے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں موٹر سائیکل پر سوار دو دہشت گردوں نے جن میں سے ایک افغان مجاہد تھا ان کی کار پر بم پھینکا جس میں وہ زخمی ہوئے۔

الجزائر میں چار سال سے جاری اسلامی جنگ میں افغانستان سے ہو کر آنے والوں کا گہرا ہاتھ ہے۔ یہ جنگ اس وقت شدت اختیار کر گئی تھی جب ۱۹۹۲ء میں فوج نے انتخابات کو منسوخ کر کے خود اقتدار سنبھال لیا تھا۔ ان انتخابات میں بنیاد پرست اسلامک سالویشن فرنٹ کو واضح کامیابی حاصل ہو رہی تھی ایک الجزائری سوشیالوجسٹ محفوظ بناؤن نے ٹائمز کے نمائندے سے شکایت کے لہجے میں کہا کہ "آپ کی حکومت نے یہ مصیبت پیدا کی اب کوئی بھی اس سے محفوظ نہیں۔ ۱۶ ہزار عرب افغانستان میں تربیت پا کر قتل کرنے کی مشین بن چکے ہیں"۔

حالیہ برسوں میں افغان جہاد کے تربیت یافتہ بھارتی مقبوضہ کشمیر' بوسنیا اور جنوبی فلپائن میں اپنے اڈے قائم کر چکے ہیں۔ چنانچہ مورو اسلامک لبریشن فرنٹ جو مندناؤ جزیرے میں ایک بہت بڑی باغی اسلامی قوت ہے کے ایک لیڈر نے فار ایسٹرن اکنامک ریویو کے نمائندے سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ فلپائنی فوج کے مقابلے میں ہم بہت آگے ہیں۔

ایک امریکی افسر کا کہنا تھا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عالم اسلام میں ساری بے چینی' تشدد اور دہشت گردی کا سبب افغان جہاد ہے لیکن ہوا یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی ایسی کوئی چنگاری موجود تھی "افغانوں" نے اس کو ایک دم بھڑکا دیا ہے۔ وہ اپنی مرضی کی تبدیلی تو نہیں لا سکتے لیکن انہوں نے حالات کو تشویش ناک ضرور بنا دیا ہے۔

جہاں تک افغانستان کا اپنا معاملہ ہے ۱۶ سال مسلسل جنگ سے وہ ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے۔ ۱۰ لاکھ سے زائد لوگ موت کی وادی میں گم ہو گئے ہیں۔ صدر ربانی کی برائے نام حکومت اور اس کے اتحادیوں اور دشمنوں کے درمیان اقتدار کی جنگ نے اس ملک کو ایک خوفناک جیو پولیٹیکل بلیک ہول بنا دیا ہے۔

کلٹن انتظامیہ میں جنوبی ایشیاء کے معاملات سے متعلق چوٹی کی عہدے دار' اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ' رابن رافیل نے اس سال سینٹ کی خارجہ امور کی کمیٹی کو بتایا کہ افغانستان منشیات' جرائم اور دہشت گردی کا گڑھ بن گیا ہے جس سے پاکستان اور پڑوسی وسط ایشیا کی ریاستیں عدم استحکام سے دوچار ہو سکتی ہیں جس کے اثرات یورپ' روس اور خود امریکہ تک پھیل سکتے ہیں۔ سٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی "عالمی دہشت گردی کی شکلیں" کے عنوان سے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ربانی حکومت کے دھڑے سمیت تمام مجاہدین گروہ کسی نہ کسی درجے میں دہشت گرد تیار کرنے کے کیمپ چلا رہے ہیں اور عالمی سطح پر دہشت گردی پھیلا رہے ہیں۔ افغان جہاد کے بطن سے مسلمان جنگجوؤں کی ایک نئی نسل جسے صحیح معنوں جہاد کے بیٹے کہنا چاہئے' جنم لے چکی ہے۔ طالبان کے بھیس میں ایک نہایت کٹر اسلامی ملیشیا پاکستان اور افغانستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے دینی مدرسوں سے ہزاروں کی تعداد میں بھرتی ہونے والے نوجوانوں پر مشتمل یہ ملیشیاء افغانستان کے ملبے پر ایک خالص اسلامی ریاست قائم کرنے میں کوشاں ہے۔

صمد ایک وقت افغان مجاہد کمانڈر تھے بعد میں اس نئی ملیشیاء میں شامل ہو گئے اب درہ خوجک کے قریب سپین بلدک میں ایک سرحدی دستے کی کمان کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مجاہدین نے اصل راستے کو چھوڑ کر جہاد سے منہ موڑ لیا ہے۔ لہٰذا ملک کے اس حصے میں صرف طالبان اللہ کے قانون پر کاربند ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ افغانستان میں اللہ کے دیئے ہوئے قانون کے سوا کوئی قانون نافذ نہیں رہ سکتا۔

امریکی پالیسی بنانے والے سابقہ اور موجودہ دونوں اب یہ مانتے ہیں کہ وہ جوابی افغان کے کو پہلے سے دیکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ خصوصاً ۱۹۸۰ کی دہائی میں اور ۱۹۹۰ کی دہائی کے شروع میں قائم تربیتی کیمپوں اور ہزاروں کی تعداد میں عربوں اور دیگر غیر ملکیوں کی آمد و رفت سے بعد میں عالمی سطح پر جو اثرات مرتب ہو سکتے تھے اس کا وہ اندازہ نہیں کر سکے۔ ایک امریکی پالیسی ساز کا کہنا تھا کہ ماضی میں ہم سے کوئی بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے جس کے نتائج اب بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ نہ دیکھا کہ اس جنگل میں کس قسم کے درخت پروان چڑھ رہے ہیں۔

خفیہ محکمے کے ایک سابق اعلیٰ عہدے دار نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ریگن انتظامیہ' سی۔ آئی۔ اے کے سابق ڈائریکٹر ولیم جے کیسی اور دیگر "سچے معتقدوں" نے کسی سے پوچھے بغیر خفیہ ایجنٹوں کے پروگراموں' نکاراگوا اور رنگولا میں کارروائیوں اور امریکی بحریر کے پھیلاؤ پر مشتمل عالمی مہم کا آغاز کیا جس کا مقصد دنیا میں روس کے اثر و رسوخ میں کمی لانا اور اگر ممکن ہو تو اسے پیچھے دھکیلنا تھا۔ سی۔ آئی۔ اے کے ایک سابق اعلیٰ عہدے دار ولکٹر مارچٹھا نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ منحوس سلطنت کو کمزور کرنے کا افغانستان میں سنہری موقع ہاتھ آیا تھا مگر سی۔ آئی۔ اے کو اس بار بھی کوریا' کیوبا اور ویت نام جیسے تجربات کا سامنا رہا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان تمام خفیہ کارروائیوں میں کچھ کر گزرنے اور معاملے کو جلد انجام تک پہنچانے کا اس قدر دباؤ ہوتا ہے کہ کسی کے لئے بھی عواقب پر نگاہ ڈالنا ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ جلدی میں ہر قسم کے لوگ بھرتی کر لئے جاتے ہیں جن میں سے بعض بالکل پاگل ہوتے ہیں۔ جب کارروائی مکمل ہو جاتی ہے تو بہت ساری چیزیں فالتو رہ جاتی ہیں اور تخریب کاری یا گوریلا جنگ کے لئے اسلحہ اور فارغ ہونے والے افراد دستیاب ہوتے ہیں

افغان جہاد--- اعداد و شمار کے آئینے میں

روسی فوجیں	:	ابتداً ۳۰,۰۰۰' بڑھ کر ۱۱۰,۰۰۰
باغیوں کی مدد	:	چین' سعودی عرب' ایران' پاکستان
افغان ہلاک	:	۱۰ لاکھ (مہاجر ۵۰ لاکھ مہاجر ہوئے)
روسی ہلاک	:	۱۵ ہزار (۳۷ ہزار زخمی)
نتیجہ	:	روسی فوج پسپا' اسلامی ریاست کا قیام
	:	(۱۹۹۳ء تک ۵۰ لاکھ زمینی سرنگوں کی موجودگی)

لہٰذا یہ ہونا ہی تھا' خواہ امریکی حکومت اس میں ملوث ہوتی یا نہ ہوتی۔ ان لوگوں کو یہاں آنا تھا اور روسیوں کے خلاف لڑنا تھا۔ جیسے یہاں آنا تھا۔ سی۔ آئی۔ اے نے تو اس کا صرف رخ اور طریقہ معین کیا تھا۔

یونیورسٹی آف پنجاب لاہور کے پروفیسر اور "ایران' مصر اور پاکستان میں بنیاد پرستی' ---- ایک مطالعہ" کے مصنف سہیل محمود کا کہنا ہے کہ اکثر امریکی سمجھتے ہیں کہ افغانستان کی لڑائی امریکہ اور روس کے درمیان عالمی رقابت کے سلسلے کی ایک معمول کی کڑی تھی لیکن مسلمان ممالک کے لئے یہ بالکل ایک الگ معاملہ تھا۔ افغانستان میں ایک نڈر' سخت کوش مگر جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے بہت کمزور قوم کی فتح مسلمانوں کے لئے عہد حاضر کا ایک نہایت اہم اور دوررس نتائج کا حامل واقعہ ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ گزشتہ کئی صدیوں کی اسلامی تاریخ عام طور پر ناکامیوں کی تاریخ ہے۔ اس دوران مسلمانوں کی زندگی میں شاید ہی خوشی کا کوئی موقع آیا ہو جس کی وجہ سے ان پر ایک قسم کی مردنی چھائی رہی ہے۔ ان حالات میں افغانستان میں فتح نے مسلمانوں کو اخلاقی طور پر بہت اوپر اٹھا دیا ہے۔

مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ دھوکے اور جبر سے امتیازی سلوک روا رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ایک ہلکی سی ناپائیدار کامیابی بھی رشک اور رقابت پیدا کرنے کا باعث بن گئی ہے۔ ایک معروف پاکستانی مجاہد مست گل جسے ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں چرار شریف کے معرکے میں شہرت حاصل ہوئی تھی جہاد کو مسلم امہ کے تمام مسائل کا حل قرار دیتا ہے' خواہ یہ جہاد بوسنیا میں ہو یا چیچنیا یا کشمیر میں۔

افغان جہاد کے اثرات مغربی یورپ کی اقلیتی بستیوں کے رہائشی مسلمانوں تک بھی پہنچ چکے ہیں۔ فرانس میں جہاں مسلمان مغربی یورپ میں سب سے زیادہ ۳۰ لاکھ کی تعداد میں ہیں گزشتہ موسم گرما میں ۸ بم دھماکے ہوئے۔ ان کا آغاز پیرس کے زیر زمین ایکسپریس کے ایک مقامی ریلوے سٹیشن سے ہوا جس میں ۸ افراد ہلاک اور ۱۶۰ زخمی ہوئے۔ فرانس نے ان دھماکوں کا ذمہ دار اسلامی انقلاب کے علمبرداروں کو قرار دیا جو فرانس کی حمایت یافتہ الجزائری حکومت کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اس لڑائی میں بھی افغان جہاد کا حصہ ہے۔ حال ہی میں پیرس میں قانون کے نفاذ کے ذمہ دار ایک عہدے دار نے بتایا کہ جتنے لوگ بھی دہشت گردی میں ملوث پائے جاتے ہیں وہ سب افغانستان یا پاکستان سے گزر کر آئے ہوتے ہیں۔ جہاں تربیت اور خفیہ رابطے کے مواقع موجود ہیں۔

سوڈان کے انقلابی راہنما حسن ترابی جسے احیاء اسلام کی ایک لہر قرار دیتے ہیں وہ دراصل افغان جہاد کا ہی ثمر ہے۔ اور یہ لہر ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ایک امریکی نامہ نگار نے جس نے ۱۹۸۸ء میں افغانستان کا دورہ کیا تھا' اس ملک کو ٹائم بم سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ ملک امریکی مفادات کے خلاف سرگرم عمل گروہوں کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہے۔

یوں دکھائی دیتا ہے کہ برعظیم کے ایک ممتاز شاعر نے ۶ دہائیاں قبل اپنی فارسی شاعری میں جو پیشین گوئی کی تھی وہ سچ ثابت ہو رہی ہے۔ محمد اقبال نے ۱۹۳۲ء میں لکھا تھا کہ ایشیاء گارے اور پانی سے بنا ہوا ایک زندہ جسم ہے اور افغان قوم اس کا دل ہے۔ اگر افغانستان پر کوئی افتاد آ پڑی تو پورا ایشیاء بے چین ہو جائے گا' افغانستان میں امن ہو گا تو ایشیاء میں بھی امن ہو گا۔OO

(لاس انجلس ٹائمز' ۴/اگست ۱۹۹۶ء)

افغانستان --- ایک نظر میں

زمین	:	ٹیکساس سے قدرے کم
دار الخلافہ	:	کابل
حکومت	:	ری پبلک
آبادی	:	۲۱۵ لاکھ
لسانی تقسیم	:	زیادہ تر پشتون' تاجک اور ہزارہ
زبان	:	افغان فارسی' پشتو' ترکی
شیر خوار بچوں کی اموات	:	ایک ہزار میں ۱۶۳
اوسط عمر	:	۴۳ سال
معیشت	:	کاشت کاری' بھیڑ بکریاں پالنا۔ پھل' اخروٹ' بادام' ہاتھ سے بنے قالین' اون' روئی' کھال' اور قیمتی پتھر کی برآمد
قومی آمدنی	:	۱۹۹۲ء میں ۳۰۰ ڈالر فی کس سے کم
تعلیم	:	۱۵ سال سے اوپر' پڑھنے لکھنے کے قابل ۲۹ فیصد

بقیہ : حدیث امروز

میں تنبیہ یا تبصرہ اخبارات میں شائع ہوتے ہیں مگر پولیس کے ہنرکار ہاتھ تو کہیں رکھتے دکھائی نہیں دیئے بلکہ کوئی وزیر اعظم کا بھائی ہو یا کسی غریب ماں باپ کی زندگی کا سہارا' اس قوت نابینا کے سامنے یکساں ہیچ ہیں۔ اسی طرح مساجد میں حملے تو پہلے بھی ہو چکے ہیں' مسلکی جنون پہلے بھی قتل کی صورت میں کئی بار دیکھنے میں آ چکا ہے۔ پھر ملی یکجہتی کونسل کا یہ اعلان بھی پیش نظر ہے کہ فرقہ واریت پر قابو پا لیا گیا ہے۔ مگر صورت حال تو دگر نظر آتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مختلف مسالک سے متعلق علماء کرام آپس میں تو اجلاس کے دوران میزوں کے اطراف بیٹھے بظاہر شیر و شکر دکھائی دیتے ہیں مگر اپنے پیروکاروں کے قلب و ذہن میں انہوں نے ایک دوسرے کے مسلک کے خلاف جو زہر بھر دیا ہے وہ رنگ لائے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔ فرقہ واریت تباہ کن عمل ہے۔ اسے ختم کئے بغیر نہ دنیا میں سکون نصیب ہو گا اور نہ آخرت میں فلاح۔ یہ ناسور حکومتی پابندیوں سے کبھی ختم نہ ہو پائے گا بلکہ مزید بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس مرض کا علاج صرف علماء دین کے پاس ہے مگر اس میں نیک نیتی شرط اول ہے۔

دکھ درد کے موقع پر رنج و الم کی فضا بشری تقاضا ہے تاہم اٹھتے بیٹھتے اسی کا اظہار کافی نہیں۔ شعور کا تقاضا ہے کہ تنقید کے لئے اپنی نشتر تیز کرتے رہنے کی بجائے ہر شخص اپنی بساط کے مطابق بہتری کی راہ میں اپنا عملی رول ادا کرے۔OO

رائج الوقت نظام کے خلاف اقدام ہمیشہ انقلابی جماعت ہی کرتی ہے

امیر تنظیم اسلامی نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نظام خلافت کا آغاز لازماً پاکستان کی سرزمین سے ہو گا!

روزنامہ "صداقت" میں شائع ہونے والے ایک مضمون "تحریک خلافت کا احیاء" کے جواب میں

امیر تنظیم اسلامی سندھ و بلوچستان کے ناظم محمد نسیم الدین صاحب کی جوابی گزارشات

"تحریک خلافت کا احیاء" کے موضوع پر آپ کے اخبار کی ۲۲/اگست کی اشاعت میں فاضل مضمون نگار عبدالقیوم ناصر کا مضمون نظر سے گزرا۔ انہوں نے تحریک خلافت پاکستان کے طریقہ کار اور اس کی فکر کے بارے میں جن مغالطوں کا تذکرہ کیا ہے اگر موصوف داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کے "پاکستان میں نظام خلافت امکانات' خدوخال اور اس کے قیام کا طریق کار" نامی اس کتابچہ کا دوبارہ بغور مطالعہ فرمالیں تو انہیں اپنے تمام مغالطوں کے بھرپور جوابات بھی مل جائیں گے۔ بہرحال راقم ان کا یوں مشکور ہے کہ زیر تحریر مضمون کے مطالعہ نے ان جیسے دیگر قارئین کو لاحق مغالطوں کو رفع کرنے کا ایک موقع عنایت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کتابچہ میں موصوف کی اس بات کی کہیں نفی نہیں کی گئی کہ اسلام کے غلبہ میں نبی اکرم ﷺ کی پاک تعلیمات اور ان کی سیرت مطہرہ نے اصلاح معاشرہ میں موثر رول ادا کیا۔ غلبہ اسلام کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کے اسوہ ہی میں تلاش کی جانی چاہئے لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ سیرت سرور عالم ﷺ کے اس پہلو پر غور و فکر یا تو کرتے ہی نہیں یا اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ حضور ﷺ کے غلبہ دین کی جدوجہد کو اگر ہم دو مراحل میں تقسیم کریں تو ان میں سے ایک مکی دور ہے اور دوسرا مدنی دور۔ تیرہ سالہ مکی دور میں کیا ہوا؟ اسلام کی دعوت' اس دعوت کو قبول کرنے والوں کی تنظیم اور ان کی تربیت' پھر قبول اسلام کے نتیجہ میں ان پر آنے والی مصیبتوں کو برداشت کرنا اور اپنے ہاتھ بندھے رکھنا یعنی جوابی کارروائی نہ کرنا البتہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنا۔ مدنی دور کے نمایاں خدوخال میں مسلح تصادم کا غزوہ بدر سے آغاز اور فتح مکہ کی صورت میں اندرون عرب اسلام کا غلبہ شامل ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا البتہ تلوار کی طاقت بھی اس جدوجہد میں شامل تھی۔ کیا تمام غزوات بغیر تلوار کے لڑی گئیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انگریزوں کے دور غلامی میں ہمارے مورخین نے ان کی جانب سے اسلام کے خلاف اس معاندانہ پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا یہ موقف اختیار کیا کہ مسلمانوں نے ساری جنگیں اپنی مدافعت میں لڑیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر سے قبل مقام نخلہ پر جو کافروں کے ساتھ جھڑپ ہوئی ہے اس میں ایک کافر مارا گیا تھا اور غزوہ بدر کے محرکات میں سے ایک اس محرک کے خون کا انتقام بھی تھا۔ ویسے بھی اگر دنیا کے انقلابات کا جائزہ لیا جائے تو ہمیشہ انقلابی جماعت ہی رائج الوقت نظام کے خلاف اقدام کرتی ہے۔

فاضل مضمون نگار نے معلوم نہیں کس بنیاد پر یہ بات محترم ڈاکٹر صاحب کی طرف منسوب کی ہے ان کے خیال میں پاکستان کی سرزمین پر نظام خلافت کا لازماً آغاز ہوگا۔ اس کتابچہ میں جو بات کہی گئی وہ یوں ہے:

> یہ ملک کون سا ہوگا ہم حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن مسلمانوں کی گزشتہ چار سو سال کی تاریخ کے جائزے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی سرزمین کو نظام خلافت کے احیاء کے لئے پسند فرمایا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ گزشتہ چار سو سال کے دوران عالم اسلام کی تمام بڑی شخصیات برعظیم پاک و ہند میں پیدا ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس خطے میں بڑی عظیم دینی تحریکیں اٹھی ہیں۔ گیارہویں صدی ہجری میں مجدد اعظم شیخ احمد سرہندیؒ، بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی جیسی جامع الصفات شخصیت' تیرہویں صدی میں سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیلؒ شہید اور ان کی تحریک شہیدین' چودھویں صدی میں مولانا محمود حسن جیسی سیماب وش شخصیت اور دارالعلوم دیوبند کی عظیم تحریک' مولانا الیاس جیسا مبلغ دین اور تبلیغی جماعت' مولانا ابوالکلام آزاد جیسا داعی قرآن' مولانا مودودی مرحوم جیسا بلند پایہ مصنف و داعی' اور علامہ اقبال جیسا مفکر اور ترجمان القرآن اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی برعظیم میں پاکستان جیسا ملک وجود میں آیا جو صرف اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ یہ تمام واقعات محض اتفاقات قرار نہیں دیئے جا سکتے بلکہ اس بات کی جانب واضح اشارے معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ کی حکمت میں اس علاقے کے لوگوں کو کوئی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ہم میں سے ہر مسلمان کو چاہئے کہ "یہ رتبہ بلند" ہمیں ملے' یہ سعادت ہمارے حصہ میں آئے"۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اس کتابچے میں یہ ضرور تحریر کیا ہے کہ "قیام خلافت کے لئے انقلابی عمل ناگزیر ہے جسے بار بار میں دہراتا ہوں تاکہ ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جائے اور اس کا عمومی طریقہ یہی ہے کہ جو انقلابی پارٹی ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ تنظیم اسلامی ہی ہو' اللہ کرے یہ کام ہمارے ہاتھوں ہو جائے یا اگلی نسل کے ہاتھوں ہو' جو بھی ہوں گے ان کی ذمہ داری ہوگی کہ پہلے حکومت بنائیں"۔

لیکن مندرجہ بالا عبارت سے کہاں یہ مطلب نکلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے لئے خلیفہ کا منصب پسند

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

جنرل یحییٰ خان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا جانا چاہئے تھا

عدالتوں کی کوشش ہوتی ہے کہ حساس قسم کے معاملات کو غیر معینہ مدت تک ٹالا جاتا رہے؟

یحییٰ خان کا خیال یہ تھا کہ پاکستان کے ٹوٹنے میں فیصلہ کن کردار مجیب اور بھٹو کے گٹھ جوڑ نے ادا کیا

ڈاکٹر اے۔ باسط کی کتاب "دی بریکنگ آف پاکستان" پر ایک نظر

ڈاکٹر احمد افضال

قومی اخبارات میں ان دنوں جو کتاب خصوصاً موضوع بحث بنی ہوئی ہے وہ مشہور وکیل اور دانشور جناب اے ۔ باسط کی تازہ تصنیف ------ "The Breaking of Paksitan" ہے۔ کتاب کا موضوع' جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے' ۱۹۷۱ء کا حادثہ سقوط ڈھاکہ ہے۔ مصنف کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ پاکستان کسی زمانے میں دو بازوؤں پر مشتمل تھا' یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء میں اس کا ایک بازو نوٹ گیا۔ اب یہ پرندہ محض ایک بازو سے اڑتا ہے --- ایک اپاہج ملک۔ سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا حادثہ کس طرح رونما ہو گیا؟ کیا سقوط ڈھاکہ آپ سے آپ واقع ہو گیا یا اس میں کسی بیرونی طاقت کا ہاتھ تھا؟ یا پھر اپنوں کی غداری اس المیے کا سبب بنی؟ اس پورے تانے بانے میں تین شخصیات نے اہم کردار ادا کئے تھے : شیخ مجیب الرحمٰن' ذوالفقار علی بھٹو اور یحییٰ خان۔ ان تینوں میں سے مجیب اور بھٹو کا موقف تو بارہا عوام کے سامنے آتا رہا ہے' لیکن یحییٰ خان کے موقف پر پردے پڑے رہے۔ اس کتاب کے ذریعے پہلی بار یہ کمی پوری کی جا رہی ہے۔

یحییٰ خان کا خیال یہ تھا کہ پاکستان کے ٹوٹنے میں فیصلہ کن کردار مجیب اور بھٹو کے گٹھ جوڑ نے ادا کیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس سارے معاملے میں اصل الزام بھٹو کے سر جانا چاہئے۔ زیر نظر کتاب میں یحییٰ خان کے دو بیانات شامل کئے گئے ہیں۔ پہلا بیان تحریری شکل میں ۱۸ جنوری ۱۹۷۲ء کو حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے پیش کیا گیا تھا' جو سانحہ مشرقی پاکستان کی تحقیقات کے لئے پاکستان کے چیف جسٹس کی زیر سربراہی کام کر رہا تھا۔ اس وقت یحییٰ خان کی حیثیت پاکستان کے پہلے غیر فوجی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ذوالفقار علی بھٹو کے قیدی کی تھی۔ اس بیان میں یحییٰ خان نے ایک طرف تو حقائق کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن دوسری طرف یہ خیال بھی رکھا ہے کہ کوئی بات بھٹو کو بہت زیادہ طیش نہ دلا دے چنانچہ بہت سی باتیں مبہم اور گول مول انداز میں بیان ہوئی ہیں اور بعض جگہ حقائق کو بدلنے یا چھپانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ تاہم اس بیان کے بین السطور غور کرنے سے بعض اہم حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں یحییٰ خان کا وہ حلفیہ بیان بھی شامل ہے جو ۷۸-۱۹۷۷ء میں اس نے لاہور ہائی کورٹ کے سامنے اپنے حبس بے جا کے خلاف دی جانے والی درخواست کے سلسلے میں تیار کیا تھا۔ اس وقت چونکہ جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء تھا اور بھٹو اقتدار سے باہر ہو چکا تھا' لہٰذا اس بیان میں یحییٰ خان نے بعض ایسے حقائق پر سے پردہ ہٹایا ہے جو اس نے اپنے پہلے بیان میں یا تو پوشیدہ رکھے تھے یا محض بالواسطہ طور پر ان کا حوالہ دیا تھا۔ دونوں بیانات کے تقابلی مطالعے سے سانحہ مشرقی پاکستان کے پس منظر میں موجود عناصر اور معاملات ایک نئی اور مختلف روشنی میں نظر آتے ہیں' اور ذمہ داری کا تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

لاہور ہائی کورٹ میں دی جانے والی درخواست کی ایک الگ کہانی ہے۔ اس درخواست میں استدعا کی گئی تھی کہ پاکستان کے سابق صدر یحییٰ خان کو جسے بغیر مقدمہ چلائے کئی سال سے قید میں رکھا گیا ہے' رہا کر دیا جائے۔ عدالت نے اس درخواست کی سماعت ہی نہیں کی' اور تقریباً تین سال تک اس پر کوئی فیصلہ نہ کیا گیا یہاں تک کہ ۱۹۸۱ء میں موت کے فرشتے نے یحییٰ خان کو رہائی دلائی۔

جنرل یحییٰ خان کو ۱۹۷۱ء میں اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب اس نے جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی کے آڈیٹوریم میں ۲۰ دسمبر کو آرمی افسروں سے خطاب کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ یحییٰ خان اس خطاب میں جنگی شکست کی اصل وجہ بیان کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ مغربی محاذ پر ۳ دسمبر کو جس جنگی کارروائی کا اس نے حکم دیا تھا اس پر عمل درآمد نہیں کیا گیا' اور یہ حکم عدولی ایک سازش کے نتیجے میں ہوئی تھی۔ اس وقت یحییٰ خان کی حیثیت نہایت نازک تھی' کیونکہ کمانڈر انچیف کی حیثیت سے شکست کی تمام ذمہ داری اسی کے کاندھوں پر تھی' چنانچہ وہ سب کی نفرت اور حقارت کا نشانہ بنا ہوا تھا' اور اسی لئے اسے تقریر نہیں کرنے دی گئی۔ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۱ء تک جنرل یحییٰ خان کو مسلسل قید میں رکھا گیا جس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ شکست خوردہ جنرل پر فوجی عدالت (Field General Court Martial) میں مقدمہ چلایا جانا چاہئے تھا' اور زندگی کے آخری دس برسوں میں خود یحییٰ خان مسلسل درخواست کرتا رہا کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے' لیکن اس درخواست کو نظرانداز کیا جاتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کو اس قسم کے کسی مقدمے میں خود اپنے لئے خطرہ محسوس ہوتا تھا' ورنہ ایک ہارے ہوئے کمانڈر انچیف کو بغیر کسی

قانونی جواز کے اور بغیر عدالت میں پیش کئے قید نہیں رکھا جا سکتا۔ ۱۹۷۷ء میں دی جانے والی حبس بے جا کے خلاف درخواست اور ۱۹۷۸ء کی رٹ پٹیشن دونوں پر لاہور ہائی کورٹ نے کوئی فیصلہ نہیں دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے بھی اپنے لئے اس شے کو مناسب نہ سمجھا کہ یحییٰ خان کو رہا کیا جائے۔

اس کیس کے مطالعے سے پاکستان کے عدالتی نظام کا ایک اہم پہلو واضح ہو جاتا ہے۔ عدالتوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ حساس قسم کے معاملات کو غیر معینہ مدت تک ٹالا جاتا رہے' خصوصاً ایسے مقدمات کے ضمن میں کوئی فیصلہ دینے سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے جن میں حکومت وقت کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔ اس سلسلے میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ حبس بے جا کے خلاف دی جانے والی درخواستوں کے سلسلے میں عام روایت یہ ہے کہ ان پر فوری کارروائی کی جاتی ہے' یہاں تک کہ رات کے وقت کسی جج کو اس کی خواب گاہ میں بھی ایسی درخواست پہنچائی جا سکتی ہے' وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ ہنگامی اور فوری کارروائی کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اگر ۳ برس تک یحییٰ خان کی درخواست کو سرد خانے میں رکھا گیا تو اس کی صرف یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ حکومت وقت کو یہی منظور تھا۔

حادثوں اور المیوں کی تحقیق کرنے اور ان سے سبق حاصل کرنے کے بجائے انہیں فراموش کر دینا زندہ قوموں کا شیوہ نہیں۔ جناب اے۔ باسط کی کتاب کی بدولت سقوط ڈھاکہ سے متعلق دو نہایت اہم دستاویزات پہلی مرتبہ منظرعام پر آئی ہیں۔ ان کا تجزیہ کرنا محض تاریخی دلچسپی کی شے نہیں ہے' بلکہ یہ کام ہمارے حال اور مستقبل کے لئے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

امیر تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت جامع خطاب

تنظیم اسلامی کی دعوت

کتابی شکل میں دستیاب ہے
عمدہ طباعت' صفحات ۵۲ قیمت ۸ روپے
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

"بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے"

تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کے ایک مقامی امیر جناب عبدالرزاق نیازی کا مذکورہ بالا حکم ربانی کی تعمیل میں اپنے عزیز و اقارب کے نام کھلا خط :

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ لوگوں کی دعاؤں سے میں بالکل خوش اور خیریت سے ہوں۔ آپ سب کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔ اس وقت آپ کی خدمت میں اپنی ایک ذمہ داری پوری کرنے کے لئے حاضر ہو رہا ہوں۔ امید ہے آپ میری باتوں کو غور سے پڑھیں گے اور اگر کوئی بات غلط ہوئی تو اس کی نشاندہی کریں گے' ورنہ پھر ان معاملات میں میرا ساتھ دیں گے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اور یہ شعور عطا فرمایا کہ مسلمان ہونے کے ناطے اپنی پوری زندگی اللہ اور رسولؐ کے احکامات کے مطابق گزارنے کی کوشش کروں اور اس مقصد کے لئے میں نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ اس وقت ہم نماز' روزہ' زکوٰۃ' اور حج تو ادا کرتے ہیں لیکن نجات اخروی کے لئے رشوت' حرام' جھوٹ' بے پردگی' غلط رسم و رواج' ٹی وی' فلم اور دیگر برائیوں کو ترک کرنا لازم نہیں سمجھتے کیونکہ ہمارا دینی تصور صرف نماز' روزے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جبکہ ایک مسلمان کے لئے زندگی کے تمام معاملات میں اللہ اور رسولؐ کے احکامات کی پابندی لازم ہے۔ چونکہ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے تمام احکامات کی پابندی ہو لہٰذا سب سے پہلے آپ کو اس کی دعوت دے رہا ہوں کہ آپ میرا ساتھ دیں۔ مزید برآں میں نے ارادہ کیا ہے کہ آئندہ میں اور میرے گھر والے یعنی میرے بیوی بچے کسی غیر شرعی تقریب میں شرکت نہیں کریں گے لیکن دین کے تقاضے نبھاتے ہوئے حتی المقدور کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ میں نے یہ ارادہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے' مجھے امید ہے کہ اس کام میں آپ میرا ساتھ دیں گے

آغاز کے طور پر میں نے مندرجہ ذیل شرعی احکامات پر عمل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

۱۔ گھر میں شرعی پردہ

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مسلمان عورت کو اپنے باپ' بھائی' بیٹے' بھانجے' بھتیجے' چچا' ماموں' سسر' اور شوہر کے علاوہ ہر ایک سے پردہ کرنا چاہئے' اس لئے آئندہ ہمارے اور آپ کے گھر والوں کو ان رشتوں کے علاوہ سب سے پردہ کرنا چاہئے۔ بزرگ رشتہ داروں کے لئے اس ضمن میں ہمارے دین میں رعایت رکھی گئی ہے۔ نیز عورت کی ذمہ داری ہے کہ اپنے شوہر کا کہنا مانے۔ رشتہ دار ہمارے گھر ضرور آئیں لیکن پردہ کا خیال رکھیں۔ اس سے اللہ بھی راضی ہو گا (یہ پردہ سعودی عرب میں موجود ہے)

۲۔ شادی بیاہ کی رسمیں

ایسی شادی جس میں جہیز' بارات' مہندی' لڑکی والوں کے کھانے کا اہتمام' گانے بجانے اور دوسری غلط رسومات ہوں گی ان میں میں اور میرے گھر والے شریک نہیں ہوں گے۔ بارات لے جانا اور جہیز کی نمائش کرنا یہ سب ہندووانہ رسمیں ہیں۔ اسلام میں طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں نکاح کریں اور دلہن لے کر آ جائیں۔ لڑکے والے اپنے ہاں ولیمہ کریں جس میں دوستوں اور رشتہ داروں کو بلایا جائے۔

۳۔ پیدائش اور وفات کی رسمیں

پیدائش' سالگرہ' عقیقہ' ختنہ' فوتیدگی' وغیرہ کے موقع پر کسی خصوصی تقریب کا اہتمام جیسے وفات کے موقع پر سوئم' چالیسواں وغیرہ غیر ضروری ہیں اور اسلام میں ان کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں' لہٰذا ہم ایسی کسی تقریب میں شرکت سے معذور ہوں گے۔ اس کی بجائے جو ہماری اصل دینی ذمہ داری ہے یعنی اسلام کے عادلانہ نظام کے لئے جدوجہد' اس پر توجہ صرف ہونی چاہئے۔

بقیہ : گزارش احوال واقعی

کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ انہوں نے اسی کتاب میں ایک سامع کے جواب میں تحریر کیا کہ دیکھئے جب بھی کبھی دنیا میں انقلاب آتا ہے تو پہلی گورنمنٹ انقلابی پارٹی ہی بناتی ہے"۔ پڑوس میں ایران کو دیکھ لیں وہاں کس پارٹی نے حکومت بنائی۔ یہ تو حال کی بات ہے جو نظر کے سامنے ہے۔ اور یہ کہیں نہیں لکھا کہ کوئی جماعت حکومت بنانے کا عزم نہیں کر سکتی۔ البتہ کسی فرد کی اس خواہش کو پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ مختلف مواقع پر انہیں مناصب پیش کئے گئے جو انہوں نے قبول نہیں کئے بلکہ شاید وہ واحد دینی شخصیت ہیں جو اہل اقتدار کی معیت کو ناپسند کرتے ہیں۔ ویسے خود کو کسی عہدے کے لئے پیش کرنے کا عمل ہمیشہ ناپسندہ نہیں ہوتا۔ اس میں کچھ استثناء بھی ہے۔ رہی بات خلافت کی مدت کی تو اگر مسلمانوں کی رائے یہی ہے کہ اس کی مدت طے ہونی چاہئے تو یہ بات خلاف سنت کیسے ہو گئی۔ کیا مسلمانوں کو معاملات مشوروں پر طے کرنے کا حکم قرآن میں نہیں آیا۔ کیا اللہ کے نبی یا خلفاء راشدین نے یہ بات طے کر دی ہے کہ آئندہ جو بھی خلافت قائم ہوگی اس میں خلیفہ لازماً تاحیات ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو ان کے صحیح پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ اس قسم کے مغالطے پیدا نہ ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی پوری زندگی کو دین کے غلبہ کے لئے وقف کر دیں' صرف اس کا اتنا ہی حصہ دنیا کے لئے چھوڑ دیں جو بقائے حیات کی جدوجہد کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ وقت کا اہم ترین تقاضا یہی ہے کہ دین کی بالادستی قائم ہو جس کے نتیجے میں عالم انسانیت کو ظلم سے نجات ملے جو اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے بغیر ممکن نہیں۔ آخر میں سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ کی جانب فاضل مضمون نگار کی توجہ دلاتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ

"ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب و ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر اور ہم نے اتارا لوہا' اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور تاکہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے۔ بے شک اللہ زور آور ہے زبردست"۔○○

بقیہ : مکتوب کراچی

مسئلہ اس فہرست میں سب سے نیچے تھا۔ ہماری قومی سیاسی جماعتوں کے اس رویئے سے مہاجر عوام میں یہ خطرناک تاثر پیدا ہونے لگا ہے کہ جس طرح ۱۹۷۰ء میں بنگالیوں کی پٹائی ہو رہی تھی اور پوری قوم خاموش تھی آج وہی رویہ پوری قوم نے اہل کراچی کے بارے میں بھی اختیار کیا ہوا ہے۔ لوگ اپنے اس تاثر کا اظہار اب کھلے عام کرنے لگے ہیں جو ان کے فرسٹریشن کی واضح دلیل ہے۔ یاد رہے کہ اسی فرسٹریشن کے نتیجے میں بنگالی قوم جسد قومی سے کٹ گئی اور بنگلہ دیش وجود میں آگیا۔

مہاجروں کی مایوسی کی دوسری وجہ بنگلہ دیش میں محصور ڈھائی لاکھ پاکستانیوں کے بارے میں قوم کا رویہ ہے اور اس کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ صوبہ سندھ کی سطح پر محصورین بنگلہ دیش کی واپسی کی مخالفت تو ہوتی ہی تھی اب وفاقی سطح پر وزارت خارجہ کے ذمہ دار وزیر کے ذریعے بھی ان کے خلاف منافرت پھیلائی جا رہی ہے حالانکہ جنرل بابر جیسے لوگوں کی وطن واپسی مشرقی پاکستان کے غیر بنگالیوں کی بھرپور حمایت کی مرہون منت ہے۔ یہ صورت واضح کر رہی ہے کہ حب الوطنی کا معیار ہی تبدیل ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مہاجر معمار پاکستان کی حیثیت سے اب تک حب الوطنی کے جذبوں سے سرشار ہیں لیکن اگر قوم نے ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش نہ کی تو دشمنان وطن کو موقع حاصل ہو جائے گا کہ وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے ان کی اس محرومی کا استحصال کریں۔○○

بقیہ : لمحہ فکریہ

افغانستان میں اسلحہ کے ذریعے اختلافات "دور" کرنے کا رویہ کتنا تباہ کن ثابت ہوا اس کا اندازہ عام لوگوں کو بھی ہے لیکن تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ اس سے کسی نے سبق حاصل نہیں کیا۔ مسائل نے لوگوں کو اس قدر بیزار کر دیا ہے کہ جوش مرحوم کے بقول ؎

گلشن میں پھول اور نہ صبا مانگتے ہیں لوگ
وہ حبس ہے کہ لو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

○○○

بقیہ : ایڈیٹر کے ڈیسک سے

کہ ان کی پشت پناہی پاکستان کر رہا ہے۔ جسے اس معاملے میں امریکہ کی اشیرباد حاصل ہے۔ تاہم حکومت پاکستان اور طالبان کی جانب سے اس کی تردید کی جاتی رہی ہے۔ اس بات کا فیصلہ کہ کس فریق کی بات درست ہے' آنے والا وقت ہی کرے گا' تاہم یہ خوشگوار خبر متعدد حلقوں سے ہم تک پہنچی ہے کہ طالبان کے زیر حکومت علاقوں میں امن و امان کی کیفیت قابل رشک ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان علاقوں میں شریعت کا نفاذ بہت حد تک عمل میں آچکا ہے جس کی وجہ سے طالبان کو مذہبی طبقوں کی پرجوش تائید حاصل ہے۔ طالبان کے تصور دین کے بارے میں متضاد باتیں سننے میں آئی ہیں۔ تاہم اس بارے میں بھی صحیح صورتحال کے سامنے آنے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

طالبان کو جو عسکری فتح اور غیر معمولی سیاسی اہمیت حاصل ہوئی ہے اس بارے میں طالبان کا اپنا موقف جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا' کچھ یوں ہے کہ مجاہدین کے مختلف گروپوں کے قائدین کا اقتدار کی کشمکش میں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہونا' ان کی قوت کو کمزور کرنے کا باعث بنا۔ مخلص مجاہدین نے مایوس ہو کر آہستہ آہستہ اپنا راستہ ان سے الگ کرنا شروع کر دیا اور اس طرح مولوی عمر کی سربراہی میں یہ نئی تنظیم وجود میں آئی۔

بہرکیف' اس میں کوئی شک نہیں کہ افغان جہاد نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک عظیم جوش اور ولولہ دیا ہے جس کے اثرات پوری دنیا میں محسوس کئے جا رہے ہیں۔ ہماری اصل دلچسپی افغانستان میں امن و امان کی بحالی' دین حق کے نفاذ اور نظام خلافت کے قیام سے ہے۔ یہ مبارک کام خواہ طالبان کے ہاتھوں ہو یا کسی اور گروپ کے ہاتھوں' اس رخ پر جو پیش قدمی بھی ہوگی ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔○○

ہڑتالوں کا اثر دن بدن کم ہوتا جارہا ہے

نقصان خواہ انسانی جانوں کا ہو یا اربوں روپے کا' اسے بھگتنا عوام ہی کو پڑتا ہے

گیاہ ضعیف

کراچی کا ۱۰ جماعتی اتحاد ہو یا قومی سطح کا ۱۴ جماعتی' کسی نے بھی خالصتاً کراچی کے مسئلے پر ہڑتال کی کال نہیں دی !

کراچی شہر گزشتہ کئی سال سے ہڑتالوں کی زد میں ہے۔ ایک طرف حکومت ہے' جو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ذریعہ اپنی طاقت کا مسلسل مظاہرہ پہلے پہل پوری آبادیوں کے محاصروں' اجتماعی گرفتاریوں اور تھانوں میں تشدد کے ذریعے کرتی رہی' اس کے بعد پولیس مقابلوں کی باری آئی اور اب بھی گاہے گاہے اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری ایم کیو ایم ہے جو ہڑتالوں کے ذریعے اپنی طاقت کو منوانے کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے۔ ایک دن کی ہڑتال کے نتیجے میں' کہتے ہیں کہ' اربوں روپے کا نقصان ہوتا ہے لیکن دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی بے گناہ فرد کی زندگی کا نعم البدل اربوں کیا کھربوں روپے کے نقصان سے نہیں ہوتا۔ لیکن نقصان خواہ انسانی جانوں کے ضیاع کی شکل میں ہو یا اربوں اور کھربوں روپے کے ڈوب جانے کی صورت میں اسے بھگتنا عوام ہی کو پڑتا ہے۔ گویا کہ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر دونوں صورتوں میں نقصان غریب خربوزے کا ہی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلسل ہڑتالوں سے بظاہر حکومت ہی کو فائدہ حاصل ہوا ہے' کیونکہ ہڑتالوں کا اثر دن بدن کم سے کم ہوتا چلا جارہا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہڑتال کے دوران شہر کے ایک آدھ علاقے کو چھوڑ کر بقیہ پورا شہر بند ہو جایا کرتا تھا۔ طریقہ واردات یہ ہوتا تھا کہ جس دن ہڑتال کا اعلان کیا جاتا اسی دن سہ پہر سے فائرنگ شروع کردی جاتی اور گاڑیاں جلانی شروع کردی جاتیں۔ اس سے اس قدر دہشت پھیلتی تھی کہ لوگوں کی کوشش ہوتی کہ مغرب سے قبل گھروں کو واپس پہنچ جائیں' لہٰذا ایک بھگدڑ سی مچ جاتی۔ ضلع غربی میں گاڑیاں شیرشاہ' ماری پور سے ہوتی ہوئی ٹاور اور صدر پہنچ جاتی تھیں' کیونکہ منگو پیر روڈ پر پاک کالونی کے سامنے سے گاڑیوں کا گزرنا محال تھا۔ رفتہ رفتہ پاک کالونی کا راستہ کھلا اور گاڑیاں اس راستے سے صدر جانے لگیں۔ ضلع وسطی سب سے زیادہ متاثر ہوتا تھا اور تقریباً پورے کا پورا علاقہ بند ہوتا تھا۔ گاڑیوں کا گزرنا محال تھا۔ رفتہ رفتہ پرائیویٹ گاڑی والوں نے ہمت کی اور اب ۱۴ ستمبر کی ہڑتال کے دوران تقریباً تمام ضلع میں حتیٰ کہ ناظم آباد' گولیمار اور لیاقت آباد میں گاڑیاں چل رہی تھیں۔ ماضی میں ضلع شرقی سب سے کم متاثر رہا ہے۔ شاہراہ فیصل پر ہمیشہ گاڑیاں چلتی رہی ہیں۔ لانڈھی اور کورنگی کے وسیع علاقوں پر چونکہ ایم کیو ایم حقیقی کا تسلط ہے لہٰذا یہاں ہڑتال ہوتی ہی نہیں۔ دوکانیں کھلی ہوتی ہیں' اور کاروبار جاری رہتا ہے۔ ضلع جنوبی میں لیاری کا علاقہ کھلا رہتا ہے اور یہی حال ڈیفنس اور کلفٹن کے علاقوں کا ہوتا ہے۔ ۱۴ ستمبر کی ہڑتال میں یہ بات دیکھنے میں آئی کہ تقریباً پورے شہر میں گاڑیاں چلتی رہیں گو کہ ان کی تعداد بہت ہی معمولی تھی۔ کاروبار البتہ بند رہا' لیکن شام کو اکثر علاقوں میں دوکانیں کھل گئی تھیں۔ اور یہ بات پہلی مرتبہ ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ عوام کی اکثریت گھروں پر تھی لہٰذا گاڑیاں بھی اکثر و بیشتر لوگوں کی اس بھیڑ سے محروم تھیں جو عام دنوں میں ہوتی ہے۔

لوگوں کی ہڑتال میں شمولیت کی بظاہر دو وجوہ ہوتی ہیں۔ یا تو لوگ خوف کے مارے اپنے دفتروں اور کاروبار کو بند رکھتے ہیں یا پھر ایم کیو ایم کی اپیل پر دلی آمادگی کے ساتھ لبیک کہتے ہیں۔ اور میرے خیال میں دوسری وجہ ہی اصل وجہ ہے کیونکہ اب ہڑتالیں بظاہر پرامن ہو رہی ہیں۔ کسی قسم کی متشددانہ کاروائی مثلاً فائرنگ' گھیراؤ جلاؤ وغیرہ ان میں نہیں ہوتی۔ اس کی بظاہر جو وجہ نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ مبینہ طور پر دہشت گرد عناصر یا تو جیلوں میں قید کر دیئے گئے ہیں یا پولیس مقابلوں میں ہلاک کردیئے گئے ہیں۔ دوسری وجہ کراچی میں قائم ہونے والا دس جماعتی اتحاد بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اب ایم کیو ایم اس اتحاد میں شامل ہے جس میں جماعت اسلامی سمیت بڑی بڑی سیاسی جماعتیں موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایم کیو ایم پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالا ہو کیونکہ دیگر جماعتوں کی ہڑتالیں عموماً پرامن ہی ہوا کرتی ہیں۔ آخری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حکومت کے عاقبت نااندیشانہ اقدامات نے ایم کیو ایم کو مظلوم بنا دیا ہے جس کی بنا پر اس کے ہمدردوں میں اضافہ ہوا ہے۔ ویسے ایک بات ناقابل فہم ہے کہ جو جماعتیں کل تک ایم کیو ایم کی ہڑتال والی حکمت عملی سے بیزاری کا اظہار کیا کرتی تھیں اور مجھے کراچی کے ایک بہت بڑے سیاستدان کا یہ بیان یاد ہے کہ ایم کیو ایم ہڑتالوں کی کامیابی کا دعویٰ کرتی ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ وہ اب تک ہڑتال کے مقاصد کو حاصل نہیں کر سکی ہے' آج وہی جماعتیں نہ صرف اسی کی عبث (Exercise in Futility) میں مصروف ہیں بلکہ ایم کیو ایم کی ہڑتال کی کال کی حمایت بھی کر رہی ہیں۔ دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ خواہ کراچی کا دس جماعتی اتحاد ہو یا قومی سطح پر بننے والا ۱۴ جماعتی اتحاد' کسی نے بھی خالصتاً کراچی کے مسئلے پر قومی یا صوبائی سطح پر ہڑتال کی کال نہیں دی۔ ابھی حال ہی میں ایم کیو ایم کے قائد نے اپنے کھلے خط میں بجا طور پر اس بات کا شکوہ ان الفاظ میں کیا ہے "آج تک مہاجروں کے قتل عام کے خلاف ملک گیر احتجاج دیکھنے میں نہیں آیا"۔ ایک موقع پر ایم کیو ایم کو اپنی ہڑتال کی دی ہوئی کال کو واپس لینا پڑا' اور اس کے فوراً ہی بعد ۱۴ جماعتی اتحاد نے ہڑتال کی کال دے دی! اور جن ایشوز پر یہ کال دی گئی تھی کراچی کا

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

تنظیم اسلامی کے اکیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر

دوسری عالمی

خلافت کانفرنس

ان شاء اللہ

۴-۵ اکتوبر ۹۶ء، بعد نماز مغرب، بمقام: لیاقت باغ، راولپنڈی
منعقد ہوگی جس میں پاکستان اور بیرونی ممالک سے علماء و دانشور خطاب فرمائیں گے

اس موقع پر

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاباتِ عام

حسبِ ذیل پروگرام کے مطابق ہوں گے:

- ۴ اکتوبر، ½ ۱۱ بجے قبل دوپہر (خطاب جمعہ) موضوع: عالمی نظامِ خلافت کی نبویؐ نوید
- ۵ اکتوبر، بعد نماز مغرب موضوع: نظام خلافت کا دستوری اور قانونی ڈھانچہ اور اس کے نفاذ کا طریق کار۔

شرکت کی عام دعوت ہے ● برائے رابطہ: شمس الحق اعوان، ناظم اجتماع، فون: ۴۲۷۵۹۲ —— ۰۵۱

رفقائے تنظیم اسلامی، معاونین تحریک خلافت اور احباب کے لئے

تفصیلی ہدایات، بسلسلہ سالانہ اجتماع

☆ لیاقت باغ راولپنڈی شہر کے وسط میں واقع ہے۔ یہاں پہنچنے کے لئے ٹرانسپورٹ شہر کے ہر حصے سے بہ آسانی دستیاب ہو جاتی ہے۔
☆ بیرون شہر سے آنے والے مندوبین فیض آباد، پیرودھائی اور ریلوے اسٹیشن پر واقع لاری اڈوں پر اتریں مذکورہ تینوں مقامات پر ۴ / اکتوبر نماز عصر تک استقبالیہ کیمپ آپ کی رہنمائی کے لئے موجود ہوں گے۔ بعد میں آنے والے رفقاء و احباب کو اجتماع گاہ تک خود ہی پہنچنا ہو گا۔
☆ لیاقت باغ میں پہنچتے ہی آپ اپنے حلقہ کے استقبالیہ کیمپ میں اپنی آمد درج کروا کر زر طعام جمع کروا دیں۔ زر تعاون کی شرح ۹۰ / روپے فی کس مقرر کی گئی ہے۔
☆ پانی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جسے ضائع کرنا کسی حال میں بھی مناسب نہیں ہے۔ ہمیں امید ہے کہ رفقاء پانی کے استعمال میں کفایت شعاری سے کام لیں گے۔
☆ خواتین کے لئے جلسہ گاہ میں خطابات اور دیگر پروگراموں کو سننے کا اہتمام ہو گا البتہ انہیں اپنی رہائش اور ٹرانسپورٹ کا انتظام خود کرنا ہو گا۔
☆ اکتوبر کے مہینے میں موسم قدرے سرد ہو جاتا ہے لہٰذا اپنی سہولت کے پیش نظر مناسب بستر ہمراہ لائیں۔ اپنے استعمال کے لئے گلاس اور پلیٹ بھی ہمراہ لائیں۔
☆ مخیر حضرات ایسے رفقاء و احباب کے لئے زیادہ سے زیادہ مال انفاق کریں جن کے لئے کرایہ اور طعام کا بندوبست مشکل ہے۔
☆ اجتماعات کی غرض و غایت "گزشتہ کارکردگی کا جائزہ" شرکاء قافلہ کی تعلیم و تربیت اور پیش نظر پیغام کو عوام الناس تک پہنچانے کے لئے رائے عامہ کی عمومی توجہ مبذول کرانا ہے۔ اجتماعات میں شرکت سے اجتماعی زندگی کی برکتوں کا عملی مشاہدہ ہوتا ہے، لہٰذا ہر رفیق تنظیم اور معاون تحریک کم از کم دس احباب سے رابطہ کر کے انہیں اجتماع میں شرکت کے لئے آمادہ کرے۔

آپ کا رفیق سفر

شمس الحق اعوان، ناظم سالانہ اجتماع، ناظم پنجاب شمالی